سورۃ الزخرف

آیاتہا ۸۹ ۔ ۴۳ سورۃ الزخرف مکیۃ ۶۳ ۔ رکوعاتہا ۷

بالاتفاق یہ سورت مکی ہے مقاتل نے کہا مگر یہ آیت مدنی ہے وَ سْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَاۤ۔ اس کی نواسی آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

حٰمٓ ۚ۝ وَ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ ۝ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝

''حا۔ میم۔ قسم ہے اس کتاب مبین کی ہم نے اتارا ہے اسے قرآن، عربی زبان میں تاکہ تم اس کے مطالب کو سمجھو''۔

حٰمٓ ۚ۝ وَ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ ۝ اس کے بارے میں گفتگو گذر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حٰمٓ قسم ہے وَ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ دوسری قسم ہے، اللہ تعالیٰ کو حق حاصل ہے کہ جس کی چاہے قسم اٹھائے اس کا جواب قسم اِنَّا جَعَلْنٰهُ ہے۔ ابن انباری نے کہا: جس نے وَ الْكِتٰبِ کا جواب حٰمٓ کو بنایا جس طرح تو کہتا ہے نزل واللہ، وجب واللہ تو اس نے الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ پر وقف کیا ہے، جس نے جواب قسم اِنَّا جَعَلْنٰهُ کو بنایا ہے اس نے وَ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ پر وقف نہیں کیا۔ جَعَلْنٰهُ کا معنی ہے ہم نے اس کا نام رکھا اور ہم نے اس کی صفت بیان کی۔ اسی وجہ سے یہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے جس طرح اس ارشاد میں ہے: مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِیْرَةٍ (المائدہ:103) سدی نے کہا: ہم نے اسے نازل کیا ہے جو قرآن ہے(1)۔ مجاہد نے کہا: ہم نے یہ کہا۔ زجاج اور سفیان ثوری نے کہا: ہم نے اسے بیان کیا۔

عَرَبِیًّا ہم نے اسے عربوں کی زبان میں نازل کیا کیونکہ ہر نبی کی کتاب اس کی قوم کی زبان میں نازل کی گئی(2)؛ یہ سفیان ثوری اور دوسرے علماء نے کہا: مقاتل نے کہا: آسمان والوں کی زبان عربی ہے(3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کتاب سے مراد وہ تمام کتابیں ہیں جو انبیاء پر نازل کی گئیں کیونکہ کتاب اسم جنس ہے گویا جتنی بھی کتابیں نازل کی گئیں ان کی قسم اٹھائی کہ اس نے قرآن کو عربی بنایا جَعَلْنٰهُ میں ضمیر قرآن کے لیے ہے اگرچہ اس سورت میں اس کا پہلے ذکر نہیں ہوا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ ۝ ۔ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ تاکہ تم اس کے احکام اور اس کے معانی کو سمجھو۔ اس تعبیر کی بنا پر یہ عربوں کے لیے خاص ہوگا عجمیوں کے لیے نہیں ہوگا(4)؛ یہ ابن عیسیٰ کا قول ہے۔ ابن زید نے کہا: معنی ہے تاکہ تم سوچ و بچار کرو۔ اس تعبیر کی بنا پر عربیوں اور عجمیوں سب کے لیے عام ہوگا۔ کتاب کی صفت مبین سے لگائی ہے

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 215　2۔ ایضاً　3۔ ایضاً　4۔ ایضاً

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس میں اپنے احکام اور فرائض کو بیان فرمایا ہے جس طرح کئی مواقع پر یہ بحث گذر چکی ہے۔

وَ اِنَّهٗ فِيْۤ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۝۴

''اور بے شک یہ قرآن ہمارے ہاں لوح محفوظ میں ثبت ہے اونچی شان والا حکمت سے لبریز''۔

وَ اِنَّهٗ فِيْۤ اُمِّ الْكِتٰبِ ضمیر سے مراد قرآن ہے یعنی قرآن لوح محفوظ میں ہے لَدَيْنَا یعنی ہمارے پاس لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۝۴ یعنی بلند اور محکم۔ اس میں اختلاف اور تناقض نہیں پایا جاتا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ۝۷۷ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ۝۷۸ (الواقعہ) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ۝۲۱ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ۝۲۲ (البروج) ابن جریج نے کہا: اللہ تعالیٰ کے فرمان وَ اِنَّهٗ سے مراد مخلوق کے اعمال یعنی ایمان، کفر، اطاعت اور معصیت لَعَلِيٌّ وہ اس سے بلند ہے کہ اسے پایا جاسکے اور اس میں تبدیلی کی جاسکے حَكِيْمٌ وہ نقص اور تغیر سے پاک ہے (1)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اسے حکم دیا کہ جس کو پیدا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اسے لکھے کتاب اس کے پاس ہے پھر اس آیت کی تلاوت کی (2)۔ حمزہ اور کسائی نے اُمِّ الْكِتٰبِ کے ہمزہ کو کسرہ دیا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے ضمہ دیا ہے۔ یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔

اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ ۝۵

''کیا ہم روک لیں گے تم سے اس ذکر کو ناراض ہو کر اس وجہ سے کہ تم لوگ حد سے بڑھنے والے ہو''۔

اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ ذکر سے مراد قرآن ہے؛ یہ ضحاک اور دیگر سے مروی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ذکر سے مراد عذاب ہو یعنی کیا ہم تم سے عذاب کو روک لیں گے اور تمہارے اسراف اور کفر پر تمہیں سزا نہ دیں گے؛ یہ مجاہد، ابو صالح اور سدی کا قول ہے (3)۔ عوفی نے یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: معنی ہے کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ ہم تم سے عذاب کو روک لیں گے جبکہ تم نے وہ کچھ نہیں کیا جس کا تمہیں حکم دیا گیا تھا۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ معنی ہے کیا تم قرآن کو جھٹلاتے ہو اور تمہیں عذاب نہیں دیا جائے گا۔ سدی نے یہ بھی کہا: معنی ہے کیا ہم تمہیں فضول چھوڑ دیں گے اور ہم تمہیں حکم نہیں دیں گے اور ہم تمہیں نہیں روکیں گے۔ قتادہ نے کہا: معنی ہے کیا ہم تمہیں ہلاک کر دیں گے اور تمہیں حکم نہیں دیں گے اور تمہیں نہیں روکیں گے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ کیا ہم قرآن نازل کرنے سے رک جائیں گے قبل اس کے کہ تم اس پر ایمان نہیں لائے ہو گے اور تم پر اسے نازل کریں گے؛ یہ ابن زید کا قول ہے۔

قتادہ نے کہا: اللہ کی قسم! اگر اس قرآن کو اٹھا لیا جاتا جب اس امت کے لوگوں نے اس کا رد کیا تھا تو وہ ہلاک ہو جاتے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے ساتھ اسے لوٹایا اور بار بار نازل کیا۔ کسائی نے کہا: ہم تم سے ذکر کو لپیٹ دیں گے نہ تمہیں نصیحت کی جائے گی اور نہ ہی تمہیں حکم دیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہاں ذکر سے مراد تذکیر ہے گویا فرمایا: کیا تمہیں نصیحت کرنا چھوڑ دیں گے کیونکہ تم فضول خرچ قوم ہو۔ یہ تعبیر اس کے نزدیک ہے جس نے ان کے ہمزہ کو فتحہ دیا ہے، جس نے اسے کسرہ

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 215 2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 91 3۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 216

دیا ہے اس نے اسے شرط کے لیے بنایا ہے اور اس کا ماقبل اس کا جواب ہے کیونکہ یہ لفظوں میں عمل نہیں کرتا اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ ذَرُوۡا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰۤوا اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ۝ (البقرۃ) ایک قول یہ کیا گیا ہے: جواب محذوف ہے اس پر ماقبل کلام دلالت کرتی ہے جس طرح تو کہتا ہے: أنت ظالم إن فعلت زجاج کے نزدیک ہمزہ کے کسرہ کی صورت میں حال کا معنی ہوگا کیونکہ کلام میں تقریر اور توبیخ کا معنی پایا جا رہا ہے صَفۡحًا کا معنی اعراض کرنا ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے صفحتُ عن فلان جب تو نے اس کے گناہ سے درگذر کیا قد ضربت عنه صفحا جب تو نے اس سے اعراض کیا اور اس کو ترک کر دیا۔ اس کا اصل معنی گردن کا پہلو ہے یہ کہا جاتا ہے: اعرضت عنه یعنی میں نے اس سے اپنی گردن کا پہلو پھیر لیا۔ شاعر نے کہا:

صُفوحًا فما تلقاك إلّا بخيلةً	فمن مَلَّ منها ذلك الوصلَ مَلّت (1)

وہ گردن کا پہلو پھیرنے والی ہے وہ تجھے بخیل کی حیثیت سے ہی ملے گی جو اس وصل سے اس سے اکتا جائے وہ اکتا جاتی ہے۔

صَفۡحًا مفعول مطلق کی حیثیت سے منصوب ہے کیونکہ اَفَنَضۡرِبُ کا معنی ہے افنصفح ایک قول یہ کیا گیا ہے: تقدیر کلام یوں ہے أفنضرب عنكم الذكر صافحين جس طرح یہ جملہ کہا جاتا ہے: جاء فلان مشياً۔

مُّسۡرِفِیۡنَ کا معنی ہے مشرکین۔ ابو عبیدہ نے ان میں ہمزہ کے فتحہ کو اختیار کیا ہے: یہ ابن کثیر، ابو عمرو، عاصم اور ابن عامر کی قراءت ہے کہا: اللہ تعالیٰ نے انہیں اس امر پر عتاب کیا جو ان سے واقع ہوا اور ان کے عمل سے پہلے اسے جان لیا۔

وَ کَمۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ نَّبِیٍّ فِی الۡاَوَّلِیۡنَ ۝ وَ مَا یَاۡتِیۡہِمۡ مِّنۡ نَّبِیٍّ اِلَّا کَانُوۡا بِہٖ یَسۡتَہۡزِءُوۡنَ ۝ فَاَہۡلَکۡنَاۤ اَشَدَّ مِنۡہُمۡ بَطۡشًا وَّ مَضٰی مَثَلُ الۡاَوَّلِیۡنَ ۝

"اور ہم نے بکثرت بھیجے ہیں نبی پہلے لوگوں میں اور نہیں آیا ان کے پاس کوئی نبی مگر وہ (کفار) اس کا مذاق اڑایا کرتے پس ہم نے ہلاک کر ڈالا جو ان سے زیادہ طاقتور تھے اور گزر چکا ہے حال پہلے لوگوں کا"۔

وَ کَمۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ نَّبِیٍّ فِی الۡاَوَّلِیۡنَ ۝ یہاں کم خبریہ ہے، یہاں کثرت کا معنی پایا جاتا ہے معنی ہے ہم نے جو انبیاء بھیجے ان کی تعداد کتنی ہی زیادہ ہے جس طرح فرمایا: کَمۡ تَرَکُوۡا مِنۡ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوۡنٍ ۝ (الدخان) انہوں نے کتنے ہی زیادہ باغات اور چشمے چھوڑے۔

وَ مَا یَاۡتِیۡہِمۡ مِّنۡ نَّبِیٍّ یعنی ان کے پاس کوئی نبی نہیں آیا مگر وہ لوگ اس کے ساتھ مذاق اڑایا کرتے تھے جس طرح آپ کی قوم آپ کا مذاق اڑاتی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا مقصود ہے۔ فَاَہۡلَکۡنَاۤ اَشَدَّ مِنۡہُمۡ بَطۡشًا یعنی ایسی قوم کو ہلاک کیا جو قوت میں ان سے بڑھ کر تھی مِنۡہُمۡ میں ضمیر مشرکین کی طرف لوٹ رہی ہے جو اَفَنَضۡرِبُ عَنۡکُمُ الذِّکۡرَ صَفۡحًا کے مخاطب ہے پہلے خطاب کیا اس کے بعد ضمیر ذکر کی اَشَدَّ یہ حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے: ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ مفعول ہے یعنی وہ لوگ جو بدن اور پیروکاروں کے اعتبار سے ان سے قوی تھے انہیں ہلاک کر دیا وَّ مَضٰی مَثَلُ الۡاَوَّلِیۡنَ ۝ یہاں مثل سے مراد عقوبت ہے: یہ قتادہ سے مروی ہے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: صفحة الاولين سے مراد ہے ان کی خبر کہ انہیں

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 216	2۔ ایضاً

ان کے کفر کے باعث ہلاک کر دیا گیا؛ یہ نقاش اور مہدوی نے ذکر کیا ہے(1)۔ مثل کا معنی وصف اور خبر ہے۔

وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ۙ﴿۹﴾

''اور آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو تو ضرور کہیں گے: پیدا کیا ہے انہیں بڑے زبردست سب کچھ جاننے والے نے''۔

وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ ضمیر سے مراد مشرکین ہیں مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ﴿۹﴾ خلق اور ایجاد کا اس کے لیے اقرار کیا پھر اس کے علاوہ کسی اور کی عبادت کی یہ ان کی طرف سے جہالت ہے۔ یہ بحث کئی مواقع پر گذر چکی ہے۔

الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۚ﴿۱۰﴾

''جس نے بنا دیا ہے تمہارے لیے زمین کو گہوارہ اور بنا دیے ہیں تمہارے لیے اس میں راستے تاکہ تم منزل مقصود تک پہنچ سکو''۔

الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا اللہ تعالیٰ نے کمال قدرت کے ساتھ اپنی صفت بیان کی یہ کلام نئی شروع ہو رہی ہے اپنے بارے میں خبر دی اگر یہ کفار کے قول کی خبر ہوتی تو کلام یوں ہوتی الذی جعل لنا الارض۔

مَهْدًا یعنی بستر اور بچھونا۔ یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔ کوفیوں نے اسے مَهْدًا پڑھا ہے وَّ جَعَلَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا یعنی زندگی کو اسباب۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: سُبُلًا کا معنی ہے راستے تاکہ جہاں تم جانا چاہتے ہو ان میں چلو۔

لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ تاکہ تم اس کی مقدورات سے اس کی قدرت پر استدلال کرو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تاکہ تم اپنے سفروں میں ہدایت پاؤ، یہ ابن عیسیٰ کا قول ہے(2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی اپنے اوپر نعمتوں کو پہچانو؛ یہ سعید بن جبیر کا قول ہے(3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تاکہ تم اپنی زندگی کے اسباب کی طرف راہنمائی پاؤ۔

وَ الَّذِيْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ ۚ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۚ كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۱﴾

''اور جس نے اتارا آسمان سے پانی اندازہ کے مطابق پس ہم نے زندہ کر دیا اس سے ایک مردہ شہر کو یونہی تمہیں بھی قبروں سے نکالا جائے گا''۔

وَ الَّذِيْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس طرح نہیں جس طرح حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر بغیر اندازہ کے نازل کیا گیا یہاں تک کہ انہیں غرق کر دیا بلکہ وہ اندازے سے نازل کیا گیا غرق کرنے والے طوفان کی صورت میں نہیں اور نہ ہی ضرورت سے کم یہاں تک کہ وہ تمہارے لیے اور تمہارے چوپاؤں کے لیے زندگی کا سبب بن گیا(4)۔

فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا یعنی ہم نے پانی کے ذریعے چٹیل بستی کو زندہ کر دیا۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 216 2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 217 3۔ ایضاً 4۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 129

كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ۝ اسی طرح تمہیں قبور سے اٹھایا جائیگا کیونکہ جو ذات بے آباد بستی کو آباد کرنے پر قادر ہے وہ دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔ سورۂ اعراف میں یہ بحث مفصل گذر چکی ہے۔ یحییٰ بن وثاب، اعمش، حمزہ، کسائی اور ابن ذکوان نے ابن عامر سے یَخْرُجُوْنَ قراءت نقل کی ہے جبکہ باقی قراء نے اسے مجہول نقل کیا ہے۔

وَالَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا وَ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَ الْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ۝ لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَیْتُمْ عَلَیْهِ وَ تَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَ مَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ۝ وَ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ۝

''اور جس نے ہر قسم کی مخلوق پیدا فرمائی اور بنا دیں تمہارے لیے کشتیاں اور مویشی جن پر تم سوار ہوتے ہو تاکہ تم جم کر بیٹھو ان کی پیٹھوں پر پھر (دلوں میں) یاد کرو اپنے رب کی نعمت کو جب تم خوب جم کر بیٹھ جاؤ ان پر اور (زبان سے) یہ کہو: پاک ہے وہ ذات جس نے فرمانبردار بنا دیا ہے اسے ہمارے لیے اور ہم اس پر قابو پانے کی قدرت نہ رکھتے تھے اور یقیناً ہم اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں''۔

اس میں پانچ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ وَالَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ یعنی اللہ تعالیٰ نے جوڑے پیدا کیے۔ سعید بن جبیر نے کہا: تمام قسم کی اصناف پیدا کیں (1)۔ حضرت حسن بصری نے کہا: جس نے موسم سرما، موسم گرما، رات، دن، آسمان، زمین، سورج، چاند، جنت اور جہنم کو پیدا کیا (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا: حیوانوں میں سے مذکر اور مؤنث پیدا کیے (3)؛ یہ ابن عیسیٰ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: نباتات کے جوڑے مراد ہیں، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۭ بَهِیْجٍ۝ (ق) مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِیْمٍ۝ (لقمان: 10) ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد ایمان و کفر، نفع و نقصان، فقر و غنا اور صحت و بیماری ہیں جو انسان میں گردش کرتے رہتے ہیں۔

میں کہتا ہوں: یہ قول تمام اقوال کو عام ہے اپنے عموم کی وجہ سے تمام کو جامع ہے۔

وَ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ فلک سے مراد کشتیاں ہیں وَ الْاَنْعَامِ سے مراد اونٹ ہیں مَا تَرْكَبُوْنَ۝ جن پر تم خشکی اور تری میں سواری کرتے ہو۔ لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ یہاں ضمیر ذکر کی کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان مَا تَرْكَبُوْنَ کی طرف لوٹ رہا ہے؛ یہ ابو عبید کا قول ہے۔ فراء نے کہا: ظُهُوْرِهٖ کو واحد ضمیر کی طرف مضاف کیا ہے (4)، کیونکہ اس سے مراد جنس ہے ایک جمع کے معنی میں ہوگا جس طرح جیش اور جند واحد ہونے کے باوجود جمع کے معنی میں ہوتے ہیں اسی وجہ سے ضمیر مذکر ذکر کی اور ظہور کو جمع ذکر کیا تقدیر کلام یہ ہوگی علی ظهور هذا الجنس۔

مسئلہ نمبر 2۔ سعید بن جبیر نے کہا: یہاں انعام سے مراد اونٹ اور گائے ہے (5)۔ ابو معاذ نے کہا: صرف اونٹ

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 217
2۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 4
3۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 217
4۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 218
5۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 217

ہیں (1)؛ یہی صحیح ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "اسی اثنا میں کہ ایک آدمی گائے پر سوار تھا کہ گائے نے اس سے کہا: مجھے اس مقصد کے لیے پیدا نہیں کیا گیا مجھے تو ہل چلانے کے لیے پیدا کیا گیا ہے (2) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "میں، ابو بکر، اور عمر اس پر ایمان لائے" جبکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس وقت حاضر نہ تھے۔ سورۃ النحل کے آغاز میں یہ بحث گذر چکی ہے۔ الحمد اللہ۔

مسئلہ نمبر 3۔ لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ اس سے مراد خاص طور پر اونٹ ہیں اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے ذکر کی ہے اور کشتیوں کے اندر بیٹھا جاتا ہے ان کشتیوں پر سوار نہیں ہوا جاتا لیکن سورت کے آغاز میں ان دونوں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے ایک کو دوسرے پر عطف کیا جاتا ہے۔ یہ بھی احتمال ہوسکتا ہے کہ کشتی کے ظاہر کو اس کا باطن بنادیا جائے کیونکہ پانی کشتی کو ڈھانپے اور چھپائے ہوئے ہوتا ہے اس کا بطن ہی ظاہر بنا دیا جائے گا، کیونکہ یہ باطن لوگوں کے لیے منکشف ہوتا ہے اور دیکھنے والوں کے لیے یہی پشت ہوتی ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ یعنی جس پر سواری کرتے ہو۔ نعمت کے ذکر سے مراد اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرنا ہے کہ اس نے اس چیز کو ہمارے لیے خشکی اور تری میں مسخر کردیا ہے وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا یعنی اس نے ہمارے لیے سواری کو مسخر کیا۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی قراءت میں ہے سبحان من سخر لنا هذا۔

وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ یعنی ہم اس کی طاقت نہ رکھتے تھے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور کلبی کا قول ہے (3)۔ اخفش اور ابو عبیدہ کا نقطہ نظر ہے کہ مُقْرِنِيْنَ کا معنی ہے ضابطین ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے قوت میں مماثل۔ یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے: قرن فلان جب وہ قوت میں اس کی مماثل ہو، یہ جملہ کہا جاتا ہے: فلان مقرن لفلان یعنی فلاں، فلاں کو قابو کرنے والا ہے، اسی معنی میں یہ الفاظ استعمال ہوتے ہیں اقرنت کذا۔ اقرن له وہ اس پر قوی ہوگیا گویا وہ اس کا ہم مقابل ہوگیا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ یعنی ہم اس کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ قطرب نے عمرو بن معد یکرب کا شعر پڑھا:

لقد علم القبائل ما عُقیلٌ لنا فی النائبات بمقرنینا

قبائل جان گئے ہیں عقیل حادثات زمانہ میں ہمارے ہم پلہ نہیں ہیں۔

ایک اور شاعر نے کہا:

رکبتم صَعْبَتی اَشَرًا وَ حَيْفًا ولستم للصعاب بمعرنینا

نیز مقرن اسے کہتے ہیں جس پر ضیاع غالب آجائے اس کے اونٹ ہوں یا بھیڑ بکریوں کے ریوڑ اور ان پر اس کا کوئی معاون نہ ہو یا وہ اونٹوں کو پانی پلائے اور انہیں کوئی ہنکانے والا نہ ہو۔ سکیت نے کہا: اس کی اصل میں دو قول ہیں: (1) یہ اقران سے ماخوذ

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 217

2۔ جامع ترمذی، کتاب المناقب، مناقب ابی بکر و عمر، جلد 2، صفحہ 209

3۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 218

ہے یہ باب چلایا جاتا ہے اقرن یُقرِن اقرانا جب وہ طاقت رکھے اقرنت کذا جب تو اسے محکم بنائے گویا اسے پہاڑ میں بنایا، قرن سے مراد پہاڑ ہے اسے پختہ بنایا اور مضبوط کیا (2) یہ مقارنہ سے ماخوذ ہے اس سے مراد وہ جال میں ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے ہیں یہ جملہ کہا جاتا ہے: قرنت کذا بکذا جب تو اسے اس کے ساتھ باندھ دے اور تو اسے اس کا ساتھی بنا دے۔

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں تعلیم دی ہے کہ جب ہم سواریوں پر سوار ہوں تو ہم کیا کہیں اور جب ہم کشتی پر سوار ہوں تو حضرت نوح علیہ السلام کی زبان سے ایک اور آیت میں اس کو بھی پہچان لیا ہے وہ یہ ارشاد ہے: وَ قَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَ مُرْسٰىهَا ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (ہود) کتنے ہی جانوروں پر سوار لوگ ہیں کہ سواری سوار کے ساتھ لڑکھڑا گئی یا سرگرداں ہوگئی یا اس نے سوار کو نیچے گرا دیا یا سوار اس کی پشت سے نیچے گر گیا اور ہلاک ہوگیا، کتنے ہی کشتی میں سوار ہونے والے ہیں کشتی ان کے ساتھ ٹوٹ گئی تو سب غرق ہوگئے۔ جب سوار ہو یا ایک ممنوع امر کے ساتھ ملا ہوا ہے اور تلف کے اسباب میں سے چند اسباب کے ساتھ ملا ہوا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنے والا ہے وہ اس کی قضا سے بچنے والا نہیں وہ اپنے دل اور زبان سے اس کے ذکر کو نہ چھوڑے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ملاقات کے لیے اس طرح تیار ہو جائے کہ وہ اپنے نفس کی اصلاح کرنے والا ہو اور اس احتیاط کو بھی پیش نظر رکھے کہ اس کی یہ سواری اللہ تعالیٰ کے علم میں اس کے موت کے اسباب میں سے ہو اور وہ خود اس سے غافل ہو۔

سلیمان بن یسار نے یہ حکایت بیان کی ہے کہ لوگ سفر میں تھے جب وہ سوار ہوئے تو کہتے: سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَ مَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ۝ ان میں سے ایک آدمی تھا جو انتہائی کمزور سواری پر سوار تھا اونٹ میں سے رازم اسے کہتے ہیں جو زمین پر کھڑا رہتا ہے اور کمزوری کی وجہ سے حرکت نہیں کرتا یا یوں جملہ بولا جاتا ہے قد رزمت الناقة ترزم وترزم رزوما ورزاما وہ تھکاوٹ اور کمزوری کی وجہ سے کھڑی ہوگئی وہ حرکت نہیں کرتی۔ صحاح میں جوہری نے یہ بات کہی ہے۔ اس آدمی نے کہا: جہاں تک میرا تعلق ہے میں تو اس پر غالب ہوں اس اونٹنی نے اسے گرا دیا اور اسکی گردن ٹوٹ گئی۔

روایت بیان کی جاتی ہے: ایک بدو اپنے قعود اونٹ (چرواہا ہر ضرورت کے لیے جس اونٹ کو استعمال کرتا ہو) پر سوار ہوا اس نے کہا: اسے قابو کرنے والا ہوں، وہ قعود اونٹ اسے لے کر دوڑ پڑا یہاں تک کہ اسے گرا دیا تو اس کی گردن ٹوٹ گئی! پہلا واقعہ ماوردی اور دوسرا ابن علی نے ذکر کیا ہے۔ کہا: کسی بندے کے لیے مناسب نہیں کہ وہ اس دعا کو چھوڑے زبان سے اس کا ذکر واجب نہیں جب وہ سوار ہو تو یہ کہے اور سفر میں جب اسے یاد آجائے سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَ مَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ۝ وَ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ۝ اے اللہ! تو ہی سفر میں ساتھی ہے اہل اور مال میں تو ہی خلیفہ ہے، اے اللہ! میں سفر کی مشقت سے واپس پلٹنے کے غم، کور کے بعد جور اور اہل و مال میں برے منظر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ الجور بعد الکور سے مراد ہے امور کے مجتمع ہونے کے بعد ان کا بکھر جانا۔

عمرو بن دینار نے کہا: میں ابو جعفر کے ساتھ ان کی زمین کی طرف نکلا جو باغ کی مثل تھی جسے مدرکہ کہتے وہ ایک تندخو اونٹ پر سوار ہوئے میں نے ان سے عرض کی: اے ابو جعفر! کیا تجھے ڈر نہیں کہ یہ تجھے گرا دے گا تو فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا: ''ہر اونٹ کی کوہان پر ایک شیطان ہوتا ہے جب تم اس پر سوار ہو تو اللہ تعالیٰ کا نام یاد کیا کرو جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے پھر اس سے خدمت لو'' (1)۔ حضرت علی بن ربیعہ نے کہا: میں نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کو دیکھا وہ ایک روز سوار ہوئے جب آپ نے اپنا قدم رکاب میں رکھا تو کہا: بسم اللہ جب سواری پر بیٹھ گئے تو کہا: الحمد للہ پھر کہا: سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَ مَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ ۝ وَ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ۝ پھر تین بار کہا: الحمد للہ واللہ اکبر اللھم لا إلہ إلا أنت ظلمتُ نفسی فاغفر لی إنہ لا یغفر الذنوب إلا أنت پھر آپ ہنسے۔ میں نے ان سے پوچھا کس چیز نے تجھے ہنسایا ہے؟ کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے اور اسی طرح کہا جس طرح میں نے کہا ہے پھر آپ ہنسے میں نے پوچھا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کس چیز نے آپ کو ہنسایا ہے فرمایا: اس بندے کے قول پر تعجب کی وجہ سے جو کہتا ہے: اللھم لا إلہ إلا أنت ظلمتُ نفسی فاغفر لی فإنّہ لا یغفر الذّنوب إلا أنت (2) وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی گناہ نہیں بخشتا۔ ابو داؤد طیالسی نے اسے اپنی مسند میں اور ابو عبد اللہ محمد بن خویز منداد نے احکام میں ذکر کیا ہے۔ ثعلبی نے اسی کی مثل حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مختصر نقل کیا ہے، الفاظ یہ ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنا قدم رکاب میں رکھتے تو فرماتے بسم اللہ جب اوپر بیٹھ جاتے تو فرماتے (3): الحمد للہ علی کل حال سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَ مَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ ۝ وَ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ۝ جب تم کشتی اور چوپائے سے نیچے اترو تو کہو اللھم أنزلنا مُنزلًا مبارکًا و أنت خیرُ المنزلین۔

ابن ابی نجیح نے مجاہد سے روایت نقل کی ہے کہ جو آدمی سوار ہوا اور سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَ مَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ ۝ نہ کہا شیطان اسے کہتا ہے: تو اسکے لیے نغمہ گا (4)۔ اگر وہ اچھی طرح نہ گا سکتا ہو تو اسے کہتا ہے: اپنی طرف سے بنا لے: یہ نحاس نے ذکر کیا ہے۔

جو آدمی اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے: آج ہم گھوڑوں پر سیر کریں یا کشتی میں سیر کریں وہ سوار ہوتے ہیں جبکہ وہ اپنے ساتھ شراب کے برتن اور آلات لہو و لعب اٹھائے ہوئے ہوتے ہیں وہ لگاتار اسے پیتے رہتے ہیں یہاں تک شراب سے اکتاہٹ ہو جاتی ہے جبکہ وہ جانوروں کی پشتوں پر ہوتے ہیں یا کشتیوں کے اندر ہوتے ہیں جبکہ کشتیاں انہیں لے کر چل رہی ہوتی ہیں وہ صرف شیطان کا ذکر کرتے ہیں، وہ صرف اس کے حکم کو ہی مانتے ہیں، وہ ایسے لوگوں کے پاس کھڑا ہونے سے بھی اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔

زمخشری نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ ایک حاکم سوار ہوا جبکہ وہ شراب پیتا تھا ایک شہر سے دوسرے شہر کے درمیان ایک ماہ کی مسافت تھی اسے ہوش نہ آیا مگر جب وہ اپنے گھر پہنچ چکا تھا اسے سفر کا احساس تک نہ ہوا ایسے سواروں کے عمل اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں جو حکم دیا ہے ان کے درمیان کتنا بعد ہے (5)۔

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1677
2۔ جامع ترمذی، کتاب فی الدعوات، باب ما یقول اذا رکب الناقۃ، جلد 2، صفحہ 182
3۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 239
4۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 48
5۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 249

وَ جَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِیْنٌ ۟ؕ

''اور بنادی ہے مشرکوں نے اس کے لیے اس کے بندوں سے اولاد، بے شک انسان کھلا ہوا ناشکر گزار ہے''۔

وَ جَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا یہاں جزء، عدل کے معنی میں ہے یعنی مثل (1)۔ قتادہ سے مروی ہے: اس سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کے سوا جس کی عبادت کی جاتی ہے۔ زجاج اور مبرد نے کہا: یہاں جزء سے مراد بیٹیاں ہیں۔ مومن ان کی جہالت پر متعجب ہوئے جب انہوں نے یہ اقرار کیا کہ آسمانوں اور زمین کا خالق اللہ تعالیٰ ہے پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ کا شریک اور بچہ بنایا انہیں علم نہیں تھا کہ جو آسمانوں اور زمین کی تخلیق پر قادر ہے وہ کسی شے کا محتاج نہیں ہوسکتا جس کے ساتھ قوت حاصل کرے یا اس سے انس حاصل کرے کیونکہ یہ نقص کی صفات میں سے ہے۔

ماوردی نے کہا: عربوں کے نزدیک جزء سے مراد بیٹیاں ہیں (2)۔ جب عورت بیٹیاں جنے تو عرب کہتے ہیں اجزأت المرأۃ شاعر نے کہا:

إن أجزأت حرة یوما فلا عجب　　وقد تجزئ الحُرَّةُ المِذكار أحیانا (3)

اگر شریف عورت نے کسی روز بچی جنی ہے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کئی مواقع پر وہ بچے بھی جن دیتی ہے۔

زمخشری نے کہا: عجیب وغریب تفاسیر میں سے یہ ہے کہ جزء کی تفسیر عورتوں سے کی جائے اور یہ دعویٰ کیا جائے کہ جزء کا لفظ لغت عرب میں عورتوں کے لیے آتا ہے (4) یہ عربوں پر جھوٹ ہے اور نئی وضع ہے انہوں نے اسی پر قناعت نہ کی یہاں تک کہ انہوں نے اس سے یہ فعل مشتق کر لیا اجزأت المرأۃ پھر شعر بنا دیے:

إن اجزأت حرة یوما فلا عجب　　زُوِّجْتُها من بنات الأوسِ مُجزِئَة (5)

اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَ جَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا اللہ تعالیٰ کے فرمان وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ کے ساتھ متصل ہے اگر تو ان سے آسمانوں اور زمین کے خالق کے بارے میں پوچھے تو وہ اس کا اعتراف کریں گے اس اعتراف کے باوجود انہوں نے اس کے بندوں میں سے اسکا جز بنا دیا ہے اور مخلوقات کی صفات سے اس کا وصف بیان کیا ہے مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا کا معنی ہے انہوں نے کہا: ملائکہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں، انہوں نے فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کا جز بنا دیا جس طرح اولاد والد کا جز ہوا کرتی ہے۔ اسے جُزُءًا دو قسموں کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِیْنٌ ۟ؕ انسان سے مراد کافر ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: وہ مصائب کو شمار کرتا ہے اور نعمتوں کو بھول جاتا ہے مُّبِیْنٌ کا معنی ہے وہ کفر کو ظاہر کرتا ہے (6)۔

اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا یَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّ اَصْفٰىكُمْ بِالْبَنِیْنَ ۟

''کیا اللہ تعالیٰ نے پسند کر لی ہیں اپنے لیے اپنی مخلوق سے بیٹیاں اور مخصوص کر دیا ہے تمہیں بیٹوں کے ساتھ''۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 219　2۔ ایضاً　3۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 48
4۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 241　5۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 219　6۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 4

اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا یَخْلُقُ بَنٰتٍ ام میں میم زائدہ ہے تقدیر کلام یہ ہے کیا اس نے جو پیدا کیا ہے اس کو بیٹیاں بنالیا ہے جس طرح تمہارا گمان ہے فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں لفظ استفہام کا ہے معنی توبیخ ہے وَّ اَصْفٰىكُمْ بِالْبَنِیْنَ ۝ تمہیں بیٹوں کے لیے خاص کیا، یہ جملہ کہا جاتا ہے: اصفیته بکذا یعنی میں نے اس کو اس کے پیچھے لگایا۔ أصفيته الوّد میں نے اس کے لیے محبت کو خالص کیا۔ صافیته و تصافینا ہم نے خالص کیا۔ اس امر پر تعجب کا اظہار کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف اس امر کو منسوب کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بیٹیوں کو منتخب کیا جبکہ انہوں نے اپنے بیٹوں کو پسند کیا جبکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے پاک ہے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو اگر چہ جاہل یہ وہم کرے کہ اس نے اپنے لیے بیٹا منتخب کیا ہے۔ اس کافر نے اللہ تعالیٰ کی طرف دو جنسوں میں ارفع جنس کو کیوں منسوب نہیں کیا انہوں نے اپنے لیے معزز جنس کو کیوں بنایا اور اللہ تعالیٰ کے لیے ادنیٰ درجے کی جنس کو منتخب کیا یہ اسی طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ۝ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِیْزٰى ۝ (النجم)

وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّ هُوَ كَظِیْمٌ ۝

''اور جب اطلاع دی جاتی ہے ان میں سے کسی کو اس کی جس کی نسبت اس نے رحمٰن کی طرف کی ہے تو اس کا چہرہ (فرطِ رنج سے) سیاہ ہو جاتا ہے اور اس کا دل غم سے بھر جاتا ہے''۔

وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا یعنی اس کی بیٹی پیدا ہوئی تو اسکا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کی یہ صورت حال اس لیے ہوتی ہے کہ اس نے جو مثال بیان کی تھی وہ باطل ہو چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے بچی کی جو بشارت دی گئی ہے اس کی یہ حالت ہوگئی ہے اس کی دلیل سورۂ نحل میں موجود ہے وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ان کی حالت یہ ہے کہ جب ان میں سے ایک کو یہ کہا جاتا ہے کہ اس کی بچی پیدا ہوئی ہے تو وہ غمگین ہو جاتا ہے اور اس کا چہرہ غصے اور افسوس سے سیاہ ہو جاتا ہے جبکہ وہ غم سے بھرا ہوتا ہے۔ ایک عرب کے بارے میں یہ مروی ہے کہ اس کی عورت نے بچی جنی تو اس نے اس گھر کو چھوڑ دیا جس میں اس کی بیوی تھی تو اس عورت نے کہا:

ما لأبی حمزہ لایأتینا یظلّ فی البیت الذی یلینا
غضبان ألا نلد البنینا وانما نأخذ ما أعطینا(1)

ابو حمزہ کو کیا ہو گیا ہے وہ ہمارے پاس نہیں آتا اور اس گھر میں رہتا ہے جو ہمارے پڑوس میں ہے۔ وہ ناراض ہے کہ ہم بیٹوں کو کیوں نہیں جنتیں ہم تو وہی کچھ لیتی ہیں جو کچھ ہمیں عطا کیا گیا ہے۔

اسے مسودٌ اور مسوادٌ بھی پڑھا گیا ہے۔ جماعت کی قراءت کے مطابق وَجْهُهٗ یہ ظَلَّ کا اسم ہے اور مُسْوَدًّا اس کی خبر ہے (☆☆)۔ یہ بھی جائز ہے کہ وَجْهُهٗ مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہو اور مسود اکو رفع اس لیے دیا جائے کہ یہ اس کی خبر ہو، ظَلَّ میں اس کا اسم ہو اور جملہ اس کی خبر ہو كَظِیْمٌ کا معنی ہے غمگین (2)؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 243
2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 219

☆☆ یہ بھی جائز ہے کہ ظل میں ایک ضمیر ہو جو احد کی طرف لوٹے جو اس کا اسم ہو اور وجھہ اس کا بدل ہو اور مسوداً، ظل کی خبر ہو۔

معنی مکروب ہے؛ یہ عکرمہ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ خاموش ہے؛ یہ ابن ابی حاتم کا قول ہے(1)، یہ سب کچھ اس کی مثل کے باطل ہونے اور دلیل کے باطل ہونے کی وجہ سے ہے۔ جس نے اس امر کو جائز قرار دیا کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں تو اس نے ملائکہ کو اللہ تعالیٰ کا مشابہ قرار دیا ہے کیونکہ بچہ اپنے والد کی جنس اور اسکے مشابہ ہوا کرتا ہے جس آدمی کا چہرہ اس لیے سیاہ ہوتا ہے کہ اس کی طرف اسے منسوب کیا جائے جو اس سے بھی جلیل الشان ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف اس کو منسوب کرنا کیسا ہوگا؟ اس آیت کی وضاحت میں سورۂ نحل میں ایسی بحث گذر چکی ہے جو کافی وشافی ہے۔

اَوَ مَنْ یُّنَشَّؤُا فِی الْحِلْیَةِ وَ هُوَ فِی الْخِصَامِ غَیْرُ مُبِیْنٍ ۝ وَ جَعَلُوا الْمَلٰٓىِٕكَةَ الَّذِیْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ؕ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ؕ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَ یُسْـَٔلُوْنَ ۝

''کیا وہ ایسی اولاد جنے گا جو پروان چڑھتی ہے زیوروں میں اور وہ مباحثہ کے وقت اپنا مدعا واضح نہیں کر سکتی۔ اور انہوں نے ٹھہرالیا ہے فرشتوں کو جو خداوند رحمٰن کے بندے ہیں عورتیں، کیا یہ موجود تھے ان کی پیدائش کے وقت، لکھ دی جائیگی ان کی گواہی اور ان سے باز پرس ہوگی''۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اَوَ مَنْ یُّنَشَّؤُا جس کی تربیت کی جاتی ہے اور وہ جوان ہوتی ہے۔ نشوء کا معنی تربیت ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: نشأتُ فی بنی فلاں نشأ ونشوءا۔ جب تو ان میں جوان ہو۔ نشیٔ اور انشیٔ دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ضحاک، ابن وثاب، حفص، حمزہ، کسائی اور خلف نے یُنَشَّأُ پڑھا ہے جس کی تربیت کی جاتی ہے اور وہ بڑی ہوتی ہے زیورات میں؛ ابو عبید نے اسے پسند کیا ہے کیونکہ اس صورت میں اسناد اعلیٰ ہے باقی قراء نے اسے یَنْشَأُ یاء کے فتحہ اور نون کو ساکن کرنے کے ساتھ پڑھا ہے؛ اسے ابو حاتم نے پسند کیا ہے وہ راسخ ہوتا ہے اور بڑھتا ہے۔ نشأ میں اصل معنی بلند ہونا ہے، یہ ہروی نے کہا ہے یُنَشَّأُ متعدی ہے اور یَنْشَأُ لازم ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ فِی الْحِلْیَةِ یعنی زینت میں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء نے کہا: وہ بچیاں ہیں ان کا لباس مردوں کے لباس سے مختلف ہے(2)۔ مجاہد نے کہا: عورتوں کو سونے اور ریشم کے استعمال کی اجازت دی گئی اور اس آیت کو پڑھا(3)۔ الکیا نے کہا: اس میں یہ دلالت موجود ہے کہ عورتوں کے لیے زیورات استعمال کرنا جائز ہے اس پر اجماع منعقد ہے اس میں احادیث شمار سے باہر ہیں۔

میں کہتا ہوں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ اپنی بیٹی کو کہا کرتے تھے: اے بیٹی! سونے کے زیورات پہننے سے بچو کیونکہ مجھے تیرے بارے میں آگ کا خوف آتا ہے۔

وَ هُوَ فِی الْخِصَامِ غَیْرُ مُبِیْنٍ ۝ جھگڑا میں اور حجت ودلیل پیش کرنے میں واضح کلام نہیں کر سکتی۔ قتادہ نے کہا: کسی عورت نے گفتگو کی جبکہ اس کے پاس دلیل بھی موجود ہو تو وہ اسے اپنے خلاف ہی استعمال کر لیتی ہے(4)۔ حضرت عبداللہ بن

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 219　2۔ ایضاً　3۔ تفسیر عبدالرزاق، جلد 3، صفحہ 167　4۔ زاد المسیر، جلد 2، صفحہ 130

مسعود کے مصحف میں ہے وھو فی الکلام غیر مبین آیت کا معنی ہے کیا اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے جس کا یہ وصف ہو؟ یعنی ایسا کرنا جائز نہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: زیورات میں آراستہ ان کے وہ بت ہیں جن کو انہوں نے سونے اور چاندی سے ڈھالا اور انہیں زیور پہنائے (1)، یہ ابن زید اور ضحاک کا قول ہے۔ اس قول کی بنا پر اس کا معنی ہوگا وہ جواب سے خاموش ہیں من محل نصب میں ہے یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے اس چیز کو بنایا جو زیورات میں پروان چڑھتی ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ مبتدا کی حیثیت میں مرفوع ہو اور خبر مضمر ہو؛ یہ فراء کا قول ہے تقدیر کلام یہ ہوگی کیا وہ چیز جو اس حالت پر ہو عبادت کی مستحق ہو سکتی ہے۔ اگر تو چاہے تو یہ کہہ لے کہ من محل جر میں ہے اسے کلام کے ابتدائی حصہ کی طرف پھیرا گیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا فرمان بِمَا ضَرَبَ یا ما ہے جو اس آیت میں ہے مِمَّا یَخْلُقُ بَنٰتٍ ان دونوں مواقع پر بدل بنانا ضعیف ہے کیونکہ ہمزہ استفہام بدل اور مبدل منہ کے درمیان حائل ہے۔

وَ جَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِیْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا کوفیوں نے عباد کو جمع پڑھا ہے، ابو عبید نے اسے پسند کیا ہے کیونکہ اس میں اسناد اعلیٰ ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول میں انہیں جھٹلایا تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں خبر دی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں وہ اس کی بیٹیاں نہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ نے عباد الرحمٰن پڑھا ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: میرے مصحف میں عبد الرحمٰن تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اسے مٹا دے اور اسے عباد الرحمٰن لکھ اس قراءت کی تصدیق اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ۝ (الانبیاء) اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ (الاعراف: 194) باقی قراء نے اسے عند الرحمٰن نون ساکنہ کے ساتھ پڑھا ہے ابو حاتم نے اسے پسند کیا ہے اس قراءت کی تصدیق اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّكَ (الاعراف: 206) اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ مَنْ عِنْدَهٗ (الانبیاء: 19) مقصود ان کے جھوٹ کو واضح کرنا اور ان کی جہالت کو بیان کرنا ہے کہ وہ اولاد کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور یہ حکم لگاتے ہیں کہ فرشتے مؤنث ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ عباد کے لفظ کا ذکر کر کے ان کی مدح ہے یعنی انہوں نے اس کی کیسے عبادت کی جو عبادت میں انتہا کو پہنچا ہوا ہے پھر انہوں نے کیسے حکم لگا دیا کہ وہ مؤنث ہیں جبکہ اس پر کوئی دلیل موجود نہیں۔ یہاں جعل قول اور حکم کے معنی میں ہے تو کہتا ہے: جعلت زیدا أعلم الناس یعنی میں نے اس پر سب سے بڑا عالم ہونے کا حکم لگا دیا۔

اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ وہ ان کی پیدائش کے وقت حاضر تھے یہاں تک کہ انہوں نے ان پر مؤنث ہونے کا حکم لگا دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے سوال کیا اور کہا: تجھے کیسے علم ہوا کہ وہ مؤنث ہیں (2)؟ انہوں نے جواب دیا: ہم نے اپنے آباء سے سنا اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ انہوں نے اس قول میں جھوٹ نہیں بولا کہ وہ عورتیں ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سَتُكْتَبُ

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 220 2۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 131

شَهَادَتُهُمْ وَيُسْئَلُوْنَ ۝ یعنی آخرت میں ان سے سوال کیا جائے گا۔ نافع نے اسے اوشہدوا پڑھا ہے یعنی ہمزہ استفہام ہمزہ مضموم پر داخل ہوا اس کو مد کے ساتھ نہیں پڑھا جاتا مگر مسیبی سے ایک روایت مروی ہے کہ وہ اسے مد کے ساتھ پڑھتے تھے مفضل نے عاصم سے اسی کی مثل روایت نقل کی ہے اور دونوں ہمزوں کے محقق ہونے کی روایت کی ہے باقی قراء نے اسے ہمزہ کے ساتھ جو استفہامیہ ہے قراءت کی ہے اَشَھِدوا زہری نے اُشْهِدُ واخلقهم قراءت نقل کی ہے یعنی یہ جملہ خبر یہ ہے ستکتب عام قراءت ہے فعل مجہول ہے اور تاء مضموم ہے اور شَهَادَتُهُمْ مرفوع ہے۔ سلمی، ابن سمیقع اور ہبیرہ نے حفص سے سَنَكتب اور شهادتهم کو منصوب نقل کیا ہے کیونکہ فعل معروف ہے۔ ابورجاء سے سَتُكتب شهاداتهم جمع کے ساتھ پڑھا ہے۔

وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ؕ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۗ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ۝

''اور کفار کہتے ہیں کہ اگر چاہتا خداوند رحمٰن تو ہم انہیں نہ پوجتے انہیں اس حقیقت کا کوئی علم نہیں وہ محض قیاس آرائیاں کر رہے ہیں''۔

وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مشرکوں نے مذاق کے انداز میں کہا: تمہارے گمان کے مطابق اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہم ان کی پوجا نہ کرتے۔ یہ ان کی طرف سے قول تو صحیح تھا مگر باطل تھا ہر شے اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے ہوا کرتی ہے اس کا ارادہ ثابت ہے اسی طرح اس کا علم بھی ثابت ہے اس کے ارادہ کے ساتھ استدلال کرنا ممکن نہیں اسی طرح معلوم کے خلاف بھی ممکن نہیں۔ مراد تحت القدرت ہے اگر چہ واقع نہ ہوا اگر وہ بتوں کی بجائے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تو ہم جان جاتے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے اسی چیز کا ارادہ کیا جو ان سے حاصل ہوا۔ سورہ انعام میں یہ بحث گذر چکی ہے سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا (انعام: 148) سورہ یٰس میں اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗٓ (47)

مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ یہ کلام وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا کی طرف لوٹائی جائے گی یعنی وہ یہ جو کہتے ہیں الملائکۃ بنات اللہ کا انہیں کچھ علم نہیں (1)؛ یہ قتادہ، مقاتل اور کلبی کا قول ہے۔ مجاہد اور ابن جریج نے کہا: اس سے مراد بت ہیں یعنی بتوں کی جو عبادت کرتے ہیں اس کا انہیں کچھ علم نہیں (2)۔ مِنْ زائدہ ہے۔

اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ۝ وہ اندازہ لگاتے ہیں اور جھوٹ بولتے ہیں غیر اللہ کی عبادت کرنے میں ان کے پاس کوئی عذر نہیں ان کے کلام کا بین السطور یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کا حکم دیا، ہم سے اس بات پر راضی ہوا، ہمیں اس چیز سے منع نہ کیا اور ہمیں جلدی سزا نہ دی۔

اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ ۝

''کیا ہم نے دی انہیں کوئی کتاب اس سے پہلے پس وہ اسے مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں''۔

یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ کا معادل ہے معنی ہے کیا وہ ان کی پیدائش کے وقت حاضر تھے یا ہم نے قرآن

1۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 131 2۔ ایضاً

سے پہلے کوئی کتاب انہیں عطا کی تھی جس نے انہیں اس امر کی دعوت دی تھی وہ اس کو پکڑے ہوئے ہیں وہ اس پر عمل پیرا ہیں۔

بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝ وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ۝

''بلکہ وہ خود کہتے ہیں: ہم نے پایا اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر اور ہم ان کے نقوش پر چل رہے تھے۔ اور اسی طرح جب بھی ہم نے بھیجا آپ سے پہلے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا تو کہا وہاں کے عیش پرستوں نے: ہم نے پایا اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر اور ہم ان کے نشانات قدم کی پیروی کرنے والے ہیں''۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ عَلٰٓى اُمَّةٍ مراد طریقہ اور مذہب ہے؛ یہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا قول ہے(1)۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز، مجاہد اور قتادہ اسے اِمۃ پڑھا کرتے تھے اور اِمۃ کا معنی طریقہ ہے۔ جوہری نے کہا: اِمۃ کا معنی نعمت ہے اور اِمۃ، اُمۃ کی بھی ایک لغت ہے اس سے مراد طریقہ اور دین ہے؛ یہ ابوعبیدہ سے مروی ہے۔ عدی بن زید نے نعمۃ کا معنی لیتے ہوئے کہا:

ثم بعد الفلاح والملك والأمة وارتهم هناك القبور کامیابی، بادشاہت اور نعمت کے بعد وہاں قبروں نے انہیں چھپا لیا۔

یہ جوہری کے علاوہ سے مروی ہے۔ قتادہ اور عطیہ نے کہا: علی امۃ کا معنی ہے دین پر(2)۔ قیس بن خطیم کا قول اسی معنی میں مروی ہے:

كنا على أمة آبائنا ويقتدى الآخر بالاول

ہم اپنے آباء کے دین پر ہیں اور بعد والا پہلے کی اقتداء کر رہا ہے۔

جوہری نے کہا: امۃ کا معنی طریقہ اور دین ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: فلان لا أمة له فلاں کا کوئی دین نہیں، شاعر نے کہا:

وهل يستوي ذوامة وكفور

کیا دین والا اور کافر برابر ہو سکتے ہیں۔

مجاہد اور قطرب نے کہا علی دین، علی ملۃ(3)۔ دین اور ملت پر۔ بعض مصاحف میں ہے قالوا إنا وجدنا آباءنا على ملة یہ تمام اقوال قریب قریب ہیں(4)۔ فراء سے مروی ہے: ملت پر، قبلہ پر۔ اخفش نے کہا: استقامت پر۔ اور نابغہ کا شعر پڑھا:

حَلَفْتُ فلم أترك لنفسك رِيبَةً وهل تأثَمَنْ ذوأمَّة وهو طائع

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 221 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً

میں نے قسم اٹھادی ہے اور میں نے تیرے نفس کے لیے کوئی شک نہیں چھوڑا کیا استقامت پر کار بند گناہگار ہو سکتا ہے جبکہ خوشی سے کام کر رہا ہو۔

مسئلہ نمبر 2۔ وَّاِنَّا عَلٰۤى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ۝ یعنی ہم ان سے ہدایت حاصل کرتے ہیں۔ ایک اور آیت میں مقتدون کے الفاظ ہیں یعنی ہم ان کی اقتدا کرتے ہیں معنی ایک ہی ہے۔ قتادہ نے کہا: ہم اقتدا کرتے ہیں (1)، ہم پیروی کرتے ہیں۔ اس میں تقلید کے ابطال پر دلیل ہے کیونکہ ان کی اپنے آباء کی تقلید پر مذمت کی گئی ہے اور اس پر مذمت کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں جس امر کی دعوت دی اس میں غور و فکر کو انہوں نے ترک کر دیا تھا۔ اس بارے میں گفتگو سورۂ بقرۃ میں گذر چکی ہے۔

مقاتل نے بیان کیا کہ یہ آیت ولید بن مغیرہ، ابوسفیان، ابوجہل، عتبہ، شیبہ جو ربیعہ کے بیٹے تھے کے بارے میں نازل ہوئی انہوں نے وہی بات کی جو ان سے قبل لوگوں نے بات کی تھی۔ مقصود نبی کریم ﷺ کو تسلی دینا ہے اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ (حم السجدہ:43) مترف سے مراد خوشحال آدمی ہے یہاں اس سے مراد بادشاہ اور جابر لوگ ہیں۔

قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ ۚ قَالُوْۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ۝

”اس نبی نے فرمایا کہ اگر میں لے آؤں تمہارے پاس زیادہ درست چیز اس سے جس پر پایا ہے تم نے اپنے باپ دادا کو تب بھی؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم جو دے کر تمہیں بھیجا گیا ہے اس کو نہیں مانتے“۔

قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى اے محمد! اپنی قوم سے کہہ دیجئے: کیا میں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے پاس لایا ہوں وہ زیادہ درست اور ہدایت والی نہیں۔

مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ ۚ قَالُوْۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ۝ یعنی جس چیز کے ساتھ رسولوں کو مبعوث کیا گیا خطاب نبی کریم ﷺ کو ہے لفظ جمع کا ہے کیونکہ ایک رسول کو جھٹلانا باقی رسولوں کو جھٹلانا ہے اسے قل وجئتکم اور قال وجئناکم پڑھا گیا ہے یعنی کیا تم اپنے آباء کی پیروی کرتے ہو اگرچہ میں تمہارے پاس ایسا دین لایا ہوں جو تمہارے آباء کے دین سے زیادہ درست ہے؟ انہوں نے کہا: ہم اپنے آباء کے دین پر ثابت قدم ہیں ہم اس سے جدا نہ ہوں گے اگرچہ تم ہمارے پاس وہ لاتے جو زیادہ صحیح ہو۔ تقلید کے بارے میں بحث سورۂ بقرہ میں گذر چکی ہے یہاں اس کے اعادہ کی کوئی ضرورت نہیں۔

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ۝

”پس ہم نے ان سے انتقام لیا ذرا دیکھو کیسا المناک انجام ہوا جھٹلانے والوں کا“۔

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ہم نے قحط، قتل اور قیدی بنانے کے ساتھ ان سے انتقام لیا قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ یہ ابن عامر اور حفص نے

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 221

قال اولو پڑھا ہے یہ نذیر کی طرف سے خبر ہوگی یعنی اس نے ان لوگوں سے کہا تھا۔ ابو جعفر نے اسے قل اولو جئتنا کم نون اور الف کے ساتھ پڑھا ہے تو خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام رسولوں کی جانب سے کیا۔

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ وَ قَوْمِهٖۤ اِنَّنِیْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۶﴾ اِلَّا الَّذِیْ فَطَرَنِیْ فَاِنَّهٗ سَیَهْدِیْنِ ﴿۲۷﴾

''اور یاد کیجئے جب کہا ابراہیم نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہ میں بے زار ہوں ان سے جن کی تم عبادت کرتے ہو بجز اس کے جس نے مجھے پیدا فرمایا بے شک وہی میری راہنمائی کرے گا''۔

وَ اِذْ قَالَ انہیں یاد دلایئے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا: جن کی تمام عبادت کرتے ہو میں ان سے بری ہوں۔ براء کا لفظ واحد اور اس سے اوپر کے لیے استعمال ہوتا ہے اس کا نہ تثنیہ بنایا جا سکتا ہے نہ جمع اور نہ ہی اس کا مونث بنایا جاتا ہے کیونکہ یہ مصدر ہے اور صفت کی جگہ اسے رکھا گیا ہے یہ نہیں کہا جاتا: البراءان، البراءون، کیونکہ معنی ذو البراء اور ذو والبراء ہے۔ جوہری نے کہا: تبرأتُ من کذا، أنا منہ براء و خلاء منہ اس کا تثنیہ اور جمع نہیں بنائی جاتی کیونکہ یہ اصل میں مصدر ہے جس طرح سمع سماعا جب تو کہے: أنا بریٔ منہ و خلی۔ اس کا تثنیہ، جمع اور مونث بنائی جائیگی اور تو جمع میں کہے گا: نحن منہ برآء، جس طرح فقیہ کی جمع فقہاء آتی ہے اور براء بھی آتی ہے جس طرح کریم کی جمع کرام آتی ہے ابراء بھی جمع آتی ہے جس طرح شریف کی جمع اشراف آتی ہے اس کی جمع ابریاء بھی آتی ہے جس طرح نصیب کی جمع انصباء اور بریئون آتی ہے یوں کہا جاتا ہے: امراۃ بریئۃ، ھما بریئتان، ھن بریئات، برایا اسی طرح یہ استعمال ہوتا ہے رجل بریٔ و براء۔ جس طرح عجیب اور عجاب ہے البراء جب فتحہ کے ساتھ استعمال ہو تو یہ مہینے کی پہلی رات ہوتی ہے اسے یہ نام اس لیے دیا جاتا ہے کیونکہ چاند سورج سے بری ہوتا ہے اِلَّا الَّذِیْ فَطَرَنِیْ یہ مستثنیٰ متصل ہے کیونکہ انہوں نے اپنے معبودوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی تھی۔ قتادہ نے کہا: وہ کہا کرتے تھے اللہ ربنا اللہ تعالیٰ ہمارا رب ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ مستثنیٰ منقطع ہو یعنی لیکن جس نے مجھے پیدا کیا وہ مجھے ہدایت دے گا۔ یہ اس لیے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد اور اپنی قوم کو تنبیہ کرنے کی غرض سے تھا کہ ہدایت اسکے رب کی جانب سے ہوتی ہے۔

وَ جَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِیَةً فِیْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾

''اور آپ نے بنا دیا کلمہ توحید کو باقی رہنے والی بات اپنی اولاد میں تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کریں''۔

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ وَ جَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِیَةً جعلها میں ضمیر اللہ تعالیٰ کے فرمان: اِلَّا الَّذِیْ فَطَرَنِیْ کی طرف لوٹ رہی ہے اور جَعَلَهَا میں ضمیر فاعل سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے مراد ہوگا اللہ تعالیٰ نے اس کلمہ اور گفتگو کو آپ کے خاندان میں باقی رہنے والا بنا دیا تو وہ آپ کی اولاد اور اولاد کی اولاد ہے یعنی وہ ورثہ در ورثہ غیر اللہ کی عبادت سے براءت کا اظہار کرتے رہے اور انہوں نے اس معاملہ میں ایک دوسرے کو وصیت کی۔ عقب اسے کہتے ہیں جو بعد میں آتا ہے۔ سدی نے کہا: اس

سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: فِیْ عَقِبِهٖ سے مراد ہے فی خلفہ کے بعد آنے والوں میں کلام میں (1)۔ تقدیم و تاخیر ہے تقدیر کلام یوں ہوگی فانہ سیھدین لعلھم یرجعون وجعلھا کلمۃ باقیۃ فی عقبہ یعنی انہیں بات کہی ممکن ہے وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے پلٹ آتے۔

مجاہد اور قتادہ نے کہا: کلمہ سے مراد لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے (2)۔ قتادہ نے کہا: یہ ان کی اولاد میں ہمیشہ ایسے افراد رہے گے جو قیامت تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے رہیں گے (3)۔ ضحاک نے کہا: کلمہ سے مراد ہے اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ (ہود: 26) (4) عکرمہ نے کہا: اس سے مراد اسلام ہے (5) کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ (الحج: 78) قرطبی نے کہا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو جو وصیت کی جو یہ تھی یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ (بقرۃ: 132) اسے ان کی اولاد میں باقی رہنے والا کلمہ بنا دیا ہے۔ ابن زید نے کہا: کلمہ سے مراد اللہ تعالیٰ کا فرمان: اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (البقرۃ) ہے اور یوں پڑھا هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ (الحج: 78) ایک قول یہ کیا گیا ہے: کلمہ سے مراد نبوت ہے۔ ابن عربی نے کہا: نبوت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں باقی رہے گی۔ توحید ان میں اصل ہے اور غیر اس کی تبع میں ہیں۔

مسئلہ نمبر 2۔ ابن عربی نے کہا: نسلوں میں وہ کلمہ باقی رہا جو کئی زبانوں تک قائم رہا آپ کی دو دعائیں تھیں جو قبول ہوئیں: (1) اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ۭ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ۭ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ۝ (البقرۃ) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی: ٹھیک ہے مگر ان میں سے جو ظالم ہوا اس کے لیے کوئی عہد نہیں (2) وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۝ (ابراہیم) ایک قول یہ کیا گیا ہے: پہلی دعا یہ تھی وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝ (الشعراء) ہر امت نے آپ کی تعظیم کی وہ آپ کی اولاد میں سے تھے یا غیروں میں سے تھے جو ان لوگوں میں سے تھے جو حضرت سام یا حضرت نوح علیہ السلام میں آپ کے ساتھ جمع ہوئے تھے۔

مسئلہ نمبر 3۔ ابن عربی نے کہا: یہاں عقب کا ذکر معنی میں ملا ہوا ہے یہ ان چیزوں میں سے ہیں جو احکام میں داخل ہیں اور ان پر عمریٰ (عمر بھر کے لیے کسی کو کوئی چیز نفع اٹھانے کے لیے دینا) محبوس کرنے کے احکام مرتب ہوتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: أیما رجلٍ أُعمِر عمری لہ ولعقبہ یعنی وہ چیز اسی کی ہوگی جسے وہ چیز عطا کی گئی جس نے وہ چیز دی ہے اس کی طرف وہ نہ لوٹے گی کیونکہ اس نے ایسے انداز میں چیز دی ہے جس میں میراث جاری ہوتی ہے یہ گیارہ الفاظ میں وارد ہوتا ہے۔

1۔ ولد، جب اسے مطلق ذکر کیا جائے تو اس سے مراد وہ شخص ہے جو مرد اور اس کی بیوی سے پایا جائے وہ مرد ہوں یا عورتیں ہوں لغت اور شرع کے اعتبار سے صرف مذکر کی اولاد مراد ہوگی اسی وجہ سے میراث معین بچے پر واقع ہوتی ہے اور معین کی مذکر اولاد پر واقع ہوتی ہے عورتوں کی اولاد پر واقع نہیں ہوتی کیونکہ وہ دوسری قوم سے بھی ہو سکتے ہیں اسی وجہ سے وہ اس لفظ کے

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 222 2۔ ایضاً 3۔ تفسیر عبد الرزاق، جلد 3، صفحہ 168

4۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 222 5۔ ایضاً

ساتھ قید میں داخل نہ ہونگے امام مالک کے مجموعہ اور اس کے علاوہ کتابوں میں موجود ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ امام مالک کا مذہب ہے اور آپ کے تمام متقدمین ساتھیوں کا بھی یہی نقطہ نظر ہے اس اجماع پر ان کی دلیل یہ ہے کہ بچیوں کی اولاد کے لیے کوئی وراثت نہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: یُوْصِیْكُمُ اللّٰهُ فِیْۤ اَوْلَادِكُمْ (النسا: 11)

علماء کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ بچیوں کی اولاد بھی اولاد کے لفظ اور اعقاب میں داخل ہے وہ بھی احباس میں داخل ہوگی محبس کہتا ہے: جست علی ولدی او علی عقبی؛ ☆ یہ ابو عمر بن عبد البر اور دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کیا ہے حُرِّمَتْ عَلَیْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ (النساء: 23) انہوں نے کہا: جب اللہ تعالیٰ نے بیٹیوں کو حرام کیا تو اجماع سے بیٹی کی بیٹی بھی حرام کردی گئی تو اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ یہ بیٹی ہے اس لیے ضروری ہو گیا کہ یہ نواسی بھی اس کے باپ کے حبس میں داخل ہو جب وہ اپنی اولاد اور عقب پر کوئی چیز محبوس کرتا ہے۔ یہ بحث سورۃ الانعام میں مفصل گذر چکی ہے۔

2۔ دوسرا لفظ بنون ہے اگر کوئی آدمی یہ کہتا ہے: یہ میرے بیٹے کے لیے وقف ہے، تو یہ حکم معین بچے سے تجاوز نہ کرے گا اور نہ ہی اس سے متعدد افراد مراد لیے جائیں گے اگر اس نے ولدی کا لفظ استعمال کیا تو وہ اس سے متجاوز ہو گا اور اولاد میں سے ہر فرد کے لیے حکم ثابت ہو گا اگر اس نے بنی کا لفظ ذکر کیا تو اس میں مذکر اور مونث سب شامل ہونگے، امام مالک نے فرمایا: جس نے اپنے بیٹوں اور اپنے بیٹوں کے بیٹوں پر صدقہ کیا تو اس کی اپنی بیٹیاں اور پوتیاں سب اس میں شامل ہوں گی۔ عیسیٰ بن قاسم سے روایت نقل کی ہے اس آدمی کے بارے کہ جس نے اپنی بیٹیوں کے لیے کوئی چیز خاص کی تو اس کی نواسیاں بھی اس کی صلبی بیٹیوں کے ساتھ ہونگی جس پر امام مالک کے ساتھیوں کی ایک جماعت متفق ہے کہ بیٹیوں کی اولاد بنین (بیٹوں) میں داخل نہ ہوگی۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نواسہ تھا: "میرا یہ بیٹا سید ہے ممکن ہے اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں کے درمیان مصالحت کرائے" ہم نے کہا: اس میں مجاز کا قاعدہ جاری ہوا ہے، سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شرافت اور عظمت کی طرف اشارہ کیا ہے کیا تو نہیں دیکھتا کہ نواسے سے بیٹا ہونے سے نفی کرنا بھی جائز ہے۔ ایک آدمی نواسے کے بارے میں کہہ سکتا ہے لیس بابنی۔ میرا بیٹا نہیں۔ اگر یہاں حقیقی معنی مراد ہوتا تو اس کی نفی کرنا جائز نہ ہوتا، کیونکہ حقائق کی مسمیات سے نفی کرنا جائز نہیں ہوتی (1)۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ بچوں کو باپ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے ماں کی طرف منسوب نہیں کیا جاتا، اسی وجہ سے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے بارے میں فرمایا: وہ ہاشمی ہیں ہلالی نہیں۔ اگرچہ ان کی ماں ہلالی تھی۔

میں کہتا ہوں: یہ استدلال صحیح نہیں بلکہ لغت کے اعتبار سے وہ ولد (بچہ) ہے اور حقیقی معنی مراد ہے کیونکہ اس میں ولادت کا معنی پایا جاتا ہے کیونکہ اہل علم نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ نواسی بھی حرام ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: حُرِّمَتْ عَلَیْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ (النساء: 23) اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَ مِنْ ذُرِّیَّتِهٖ دَاوٗدَ وَ سُلَیْمٰنَ وَ اَیُّوْبَ وَ یُوْسُفَ وَ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ وَ

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 79-1678　　☆ میں نے اسے اپنے بچے یا اپنے عقب پر روک دیا ہے۔

كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٨٤﴾ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ۭ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٨٥﴾ (الانعام) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کی ذریت میں شامل کیا جبکہ وہ ان کی بیٹی کی اولاد میں سے تھے جس کی وضاحت پہلے ہو چکی ہے اگر یہ سوال کیا جائے کہ شاعر نے کہا:

بنونا بنو أبنائنا وبناتنا بنوهن أبناء الرجال الاباعد

ہمارے بیٹے ہمارے بیٹوں کے بیٹے ہیں اور ہماری بیٹیوں کے بیٹے بعیدی مردوں کے بیٹے ہیں۔

انہیں کہا جائے گا: اس میں ان کے لیے کوئی دلیل نہیں کیونکہ اس کے قول کا معنی ہے اس کے بیٹوں کی مذکر اولاد وہ افراد ہیں جن کا حکم وراثت اور نسب میں اس کے اپنے بیٹوں جیسا ہے اس کے نواسوں کا حکم اس معاملہ میں بیٹیوں کے حکم جیسا نہیں کیونکہ وہ غیر منسوب ہوتے ہیں تو یہ بتایا کہ حکم میں مختلف ہیں جبکہ نام میں اکٹھے ہیں۔ بچیوں کی اولاد سے ولد کے اسم کی نفی نہیں کی جائیگی کیونکہ وہ ابن ہے بعض اوقات ایک آدمی اولاد کے بارے میں کہتا ہے: لیس هو بابني وہ میرا بیٹا نہیں کیونکہ وہ میری اطاعت نہیں کرتا اور نہ ہی میرے حق کا خیال کرتا ہے وہ اس کے لیے ولد کے اسم کی نفی نہیں کرتا وہ اس سے حکم کی نفی کا ارادہ کرتا ہے۔

جس نے اس شعر سے یہ استدلال کیا ہے کہ بیٹی کی اولاد کو ولد نہیں کہتے تو اس نے معنی کو فاسد کر دیا اور اس کے فائدہ کو باطل کر دیا اور قائل کے قول کی ایسی تاویل کی جو درست نہیں کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ عربی زبان میں بیٹے کی اولاد کو ابن کہا جائے اور بیٹی کی اولاد کو ابن نہ کہا جائے اس کی وجہ یہ ہے کہ ولادت کا معنی جس سے ولد کا اسم مشتق ہے اس میں واضح اور قوی ہے کیونکہ بیٹی کی اولاد ولادت کے حقیقی معنی کی وجہ سے اس کی اولاد ہے اور بیٹے کی اولاد اس کی اولاد ہے کیونکہ یہ ولادت کا سبب بنا ہے۔ امام مالک نے بیٹیوں کی اولاد کو اس حصہ سے خارج نہیں کیا جب وہ کوئی چیز اپنی اولاد کے لیے مختص کرتا ہے کہ ولد کا اسم لغت میں ان پر واقع نہیں ہوتا آپ نے ان کو وراثت کے احکام پر قیاس کرتے ہوئے خارج کیا ہے۔ یہ بحث سورۂ انعام میں گذر چکی ہے۔ الحمدللہ۔

3۔ ذرية۔ یہ لفظ ذرأ الله الخلق سے ماخوذ ہے اس میں بیٹیوں کی اولاد داخل ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٨٤﴾ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى (الانعام) حضرت عیسیٰ علیہ السلام ماں کی جانب سے ان کی اولاد میں سے تھے ذرية کے لفظ کی تحقیق سورۂ بقرہ اور سورۂ انعام میں گذر چکی ہے یہاں اس کے اعادہ کی کوئی ضرورت نہیں۔

4۔ عقب۔ لغت میں اس کا معنی ہے کوئی شے جب کسی شے کے بعد ہو وہ اس کی جنس سے ہو یا اس کی جنس سے نہ ہو(1)۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: أعقب الله بخير یعنی اللہ تعالیٰ نے سختی کے بعد خوشحالی دی۔ اعقب الشيب لسواد۔ سیاہ بالوں کے بعد سفید بال آئے۔ عَقَبَ يَعْقِبُ عقوبا و عقبا اسی وجہ سے انسان کی اولاد کو اس کی عقب کہتے ہیں معقاب من النساء وہ عورت جو مؤنث کے بعد مذکر جنے اسی طرح ہمیشہ سلسلہ رہے۔ عقب الرجل۔ اس کی اولاد اور اولاد کی اولاد جو اس کے بعد

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1679

رب۔ عاقبۃ سے مراد اولاد ہوتی ہے۔ یعقوب نے کہا: قرآن حکیم میں ہے وَ جَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِي عَقِبِهٖ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بلکہ تمام وارث عقب ہیں۔ عاقبہ سے مراد اولاد ہے اسی وجہ سے مجاہد نے یہاں تفسیر بیان کی ہے۔ ابن زید نے کہا: یہاں اس سے مراد ذریت ہے۔ ابن شہاب نے کہا: اس سے مراد بچے اور بچے کی اولاد ہے۔ دوسرے علماء نے وہ کہا جو سدی سے مروی ہے صحاح میں ہے: عقب ایڑی کو کہتے ہیں یہ مؤنث ہے عقب الرجل سے مراد اولاد اور اولاد کی اولاد ہے۔ اس میں دو لغتیں ہیں عَقِب اور عَقْب۔ یہ بھی مؤنث ہے۔ اخفش سے مروی ہے: عقب فلاں مکان أبیہ عاقبۃ یعنی فلاں اپنے باپ کا نائب بنا یہ اسم ہے جو مصدر کے معنی میں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۝ (الواقعہ) علماء کے نزدیک عقب اور ولد کے لفظ میں کوئی فرق نہیں۔ ذریۃ اور نسل میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دونوں ولد اور عقب کے قائم مقام ہیں۔ امام مالک کے مذہب کے مطابق بیٹیوں کی اولاد اس میں داخل نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ سب ان دونوں میں داخل ہیں۔ ذریۃ کے بارے میں گفتگو یہاں اور سورۃ الانعام میں گزر چکی ہے۔

5۔ نسلی۔ ہمارے علماء کے نزدیک یہ ولدی اور ولد ولدی کے قول کی طرح ہے(1) اس میں بیٹیوں کی اولاد داخل ہے ان کا داخل ہونا ضروری ہے کیونکہ نسل کا معنی نکلنا ہے بچیوں کی اولاد ایک اعتبار سے نکلی ہے ولم یقترن بہ ما یخصہ کما اقترن بقولہ عقبی ما تناسلوا۔ اس کے ساتھ وہ مقترن نہیں ہوگا جو اسے خاص کرے جس طرح نسل عقبی کے ساتھ مقترن ہے۔

ہمارے بعض علماء نے کہا: نسل، ولد اور عقب کے معنی میں ہے اس میں بیٹیوں کی اولاد داخل نہیں مگر اس صورت میں کہ صدقہ وقف کرنے والا یہ کہے نسلی و نسل نسلی جس طرح وہ یہ کہے: عقبی وعقب عقبی مگر جب وہ یہ کہے ولدی یا کہے عقبی تو اس میں بیٹیاں داخل نہ ہوں گی۔

6۔ آل۔ وہی اہل ہیں۔ یہ ساتواں لفظ ہے ابن قاسم نے کہا: یہ دونوں (آل اور اہل) برابر ہیں اس سے مراد عصبات، بھائی، بیٹیاں اور پھوپھیاں ہیں اس میں خالائیں داخل نہیں اس کا اصل معنی اجتماع ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: مکان آھل جب اس میں جماعت ہو یہ عصبہ کے ساتھ ہوتا ہے اور جو عورتوں کی جانب سے قرابت میں داخل ہوتا ہے عصبہ اس سے مشتق ہوتا ہے یہ اہل سے خاص ہے حدیث افک میں ہے یا رسول اللہ أھلُكَ ولا نعلم إلا خیرا یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپ کے اہل کے بارے میں بھلائی کا ہی علم رکھتے ہیں مراد حضرت عائشہ ہیں لیکن زوجہ آل میں داخل نہیں اس پر اجماع ہے اگرچہ یہی تاھل کی اصل ہے کیونکہ اس کا ثبوت یقینی نہیں کیونکہ اس کا ربط بعض اوقات تبدیل ہوجاتا ہے اور طلاق کے ذریعے ختم ہوجاتا ہے۔ امام مالک نے کہا: آل محمد سے مراد ہر متقی ہے۔ یہ تعبیر اس باب سے متعلق ہے آپ نے یہ ارادہ کیا ہے کہ ایمان قرابت سے خاص ہے اس پر دعوت مشتمل ہوتی ہے اور آپ نے رحمت کا ارادہ کیا ہے۔ ابو اسحاق تونسی نے کہا: اہل میں ہر وہ فرد داخل ہوتا ہے جو والدین کی جانب سے ہو۔ اس نے اشتقاق کو پورا حق دیا اور عرف اور استعمال سے غفلت کا اظہار کیا۔ یہ معانی حقیقت پر مبنی ہیں یا ایسے عرف پر جو اطلاق کے وقت مستعمل ہونے پر مبنی ہیں یہ دو لفظ ہیں۔

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1679

8۔ قرابۃ۔ اس میں چار اقوال ہیں: (1) امام مالک نے محمد بن عبدوس کی کتاب میں کہا: اس سے مراد قریب ترین پھر قریب ترین ہیں، یہ اجتہاد کے قاعدہ کی بنا پر ہے اس میں بیٹیوں اور خالاؤں کی اولاد شامل نہیں (2) باپ اور ماں کی جانب سے قریبی اس میں داخل ہیں، یہ علی بن زیاد نے کہا (3) اشہب نے کہا: مردوں اور عورتوں کی جانب سے ہر ذی رحم اس میں شامل ہے۔ (4) ابن کنانہ نے کہا: اس میں چچے، پھوپھیاں، خالو، خالائیں اور بھانجیاں داخل ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے قُلْ لَّاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰى (الشوریٰ: 23) کی تفسیر میں کہا: مگر یہ کہ تم اس رشتہ کو جوڑو جو میرے اور تمہارے درمیان ہے۔ کہا: قریش کا کوئی خانوادہ نہیں تھا مگر اس کے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان رشتہ داری تھی۔ یہ قول اسے جامع ہے۔

9۔ العشیرۃ۔ اسے حدیث صحیح جامع ہے اللہ تعالیٰ نے جب وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ ۙ (الشعراء) کو نازل کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے خاندانوں کو دعوت دی جس طرح اس کا ذکر پہلے گذر چکا ہے وہ قریبی خاندان تھے۔ باقی مطلق عشیرہ کا قول پہلے گذر چکا ہے۔

10۔ قوم۔ اسے عصبات میں خصوصاً مردوں پر بولا جاتا ہے عورتیں اس میں شامل نہیں قوم مردوں اور عورتوں دونوں کو جامع ہے اگرچہ شاعر نے کہا:

وما ادری وسوف إخال أدری أقوم آل حِصن أم نساء

لیکن یہ ارادہ کیا کہ جب آدمی مدد کے لیے اپنی قوم کو بلاتا ہے تو مرد مراد لیتا ہے اور جب حرمت کے لیے انہیں بلاتا ہے تو اس میں مرد اور عورتیں سب شامل ہوتی ہیں صفت اسے عام کرتی ہے اور قرینہ اسے خاص کرتا ہے۔

11۔ موالی۔ امام مالک نے کہا: اس میں اس کے اپنے موالی کے ساتھ اس کے باپ اور بیٹے کے موالی بھی داخل ہوتے ہیں۔ ابن وہب نے کہا: اس میں موالی کی اولاد بھی شامل ہوتی ہے۔ ابن عربی نے کہا: خلاصہ کلام یہ ہے اس میں ہر وہ فرد داخل ہوگا جو ولاء کی وجہ سے وارث بنتا ہے۔ کہا: یہ کلام کی فصول اور اصول ہیں جو قرآن کے ظاہر اور اس سنت کے ساتھ مربوط ہیں جو قرآن کی وضاحت کرنے والی ہے، اس کی جزئیات کتاب المسائل میں ہیں۔

بَلْ مَتَّعْتُ هٰۤؤُلَآءِ وَ اٰبَآءَهُمْ حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَ رَسُوْلٌ مُّبِیْنٌ ۝ وَ لَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّ اِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝ وَ قَالُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ ۝ اَهُمْ یَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ؕ نَحْنُ قَسَمْنَا بَیْنَهُمْ مَّعِیْشَتَهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ رَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِیًّا ؕ وَ رَحْمَتُ رَبِّكَ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ ۝

”بلکہ میں نے لطف اندوز ہونے دیا انہیں اور ان کے آباء کو یہاں تک کہ آگیا ان کے پاس حق اور کھول

کر بیان کرنے والا رسول۔ اور جب آ گیا ان کے پاس حق تو وہ کہنے لگے: یہ تو جادو ہے اور ہم اس کے منکر ہیں اور کہنے لگے: کیوں نہ اتارا گیا یہ قرآن کسی ایسے آدمی پر جو ان دو شہروں میں بڑا ہے کیا وہ بانٹا کرتے ہیں آپ کے رب کی رحمت کو؟ ہم نے خود تقسیم کیا ہے ان کے درمیان سامان زیست کو اس دنیوی زندگی میں اور ہم نے ہی بلند کیا ہے بعض پر مراتب میں تا کہ وہ ایک دوسرے سے کام لے سکیں، اور آپ کے رب کی رحمت (خاص) بہت بہتر ہے اس سے جو وہ جمع کرتے ہیں''۔

بَلْ مَتَّعْتُ اسے بل متعنا بھی پڑھا گیا ہے ھٰۤؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ انہیں اور ان کے آباء کو دنیا میں حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ یہاں تک کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم توحید اور اسلام ان کے پاس لے آئے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اصل ہے یہی وہ کلمہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے خاندان میں باقی رکھا وَ رَسُوْلٌ مُّبِیْنٌ ۝ وہ رسول ان کے لیے ایسی چیزوں کی وضاحت کرتا ہے جن کی انہیں ضرورت ہوتی ہے۔ وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ 'حق سے مراد قرآن حکیم ہے قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّ اِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝ یعنی انکار کرنے والے ہیں وَ قَالُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ یہاں لولا، ھلا کے معنی میں ہے هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ اسے علی رَجل بھی پڑھا گیا ہے مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ ۝ دونوں بستیوں میں سے ایک میں جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: یَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَ الْمَرْجَانُ ۝ (الرحمٰن) دو سمندروں میں سے ایک سے یہ دونوں نکلتے ہیں یا دونوں بستیوں میں سے ایک آدمی پر۔ قریتین سے مراد مکہ اور طائف ہے۔ رجلان سے مراد ولید بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم یہ ابوجہل کا چچا تھا، طائف سے ابو مسعود عروہ بن مسعود ثقفی (1)؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عمیر بن عبد یالیل ثقفی جو طائف سے تعلق رکھتا تھا (2)، عتبہ بن ربیعہ جو مکہ مکرمہ سے تعلق رکھتا تھا؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: طائف کے عظیم آدمی سے مراد حبیب بن عمرو ثقفی ہے۔ سدی نے کہا: اس سے مراد کنانہ بن عبد بن عمرو ہے (3)۔ ایک روایت کی گئی ہے: اس سے مراد ولید بن مغیرہ ہے اسے ریحانہ قریش کا نام دیا جاتا وہ کہا کرتا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ کہتے ہیں اگر حق ہے تو وہ مجھ پر یا ابو مسعود پر نازل ہوتا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَهُمْ یَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ اس سے مراد نبوت ہے وہ اسے جہاں چاہتے رکھتے نَحْنُ قَسَمْنَا بَیْنَهُمْ مَّعِیْشَتَهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا یعنی ایک قوم کو فقیر کر دیا اور ایک قوم کو غنی کر دیا جب دنیا کا معاملہ ان کے سپرد نہیں تو نبوت کا امر ان کے سپرد کیسے کیا جا سکتا ہے؟ قتادہ نے کہا: تو ایک انسان کو کمزور، کم حیلے والا، اپنا نقطہ نظر واضح نہ کر سکنے والا پاتا ہے جبکہ مال و متاع اس کے پاس بہت زیادہ ہے، تو ایک انسان کو پاتا ہے کہ وہ سخت محنت کرتا ہے، بڑا فرمان بردار ہے مگر مال و متاع اس کے پاس کچھ نہیں (4)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور ابن محیصن نے ایک روایت معایشھم نقل کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم نے دو بستیوں کے عظیم افراد کو عطا کیا جو عطا کیا اس وجہ سے نہیں کہ وہ ہم پر معزز ہیں جبکہ میں ان سے نعمت کو چھیننے والا ہوں تو ان کے لیے فضیلت اور شان کہاں سے آ گئی؟

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 223 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً

وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ یعنی ہم نے ان میں باہم فضیلت رکھی کچھ صاحب فضل ہیں اور کچھ پر فضیلت حاصل ہے کچھ رئیس ہیں اور کچھ محکوم ہیں (1)، یہ مقاتل کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آزادی اور غلامی میں باہم فضیلت دی بعض مالک ہیں اور بعض مملوک ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: غنا اور فقر میں باہم فضیلت دی ان میں سے بعض غنی اور بعض فقیر ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اعتبار سے فضیلت دی۔

لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا سدی اور ابن زید نے کہا: غلام اور خدام کے اعتبار سے باہم فضیلت دی (2)، اغنیاء فقراء کا تمسخر اڑاتے ہیں ان میں سے بعض بعض کے معاش کا سبب ہیں۔ قتادہ اور ضحاک نے کہا: یعنی ان میں سے بعض سے مالک بن جائیں (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اس سخریہ سے ماخوذ ہے جو استہزاء کے معنی میں ہے اور هزئت منه دونوں میں سے ہر ایک جملہ کہا جاتا ہے اسم سخریہ ہے اسی طرح سُخری اور سِخری ہے تمام علماء نے سُخریا میں سین کو ضمہ دیا ہے مگر ابن محیصن اور مجاہد نے ضمہ نہیں دیا دونوں نے سخریا پڑھا ہے وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ۝ یعنی دنیا میں سے جو وہ جمع کرتے ہیں تیرے رب کی رحمت اس سے افضل ہے پھر یہ کہا گیا ہے۔ رحمت سے مراد نبوت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد جنت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فرائض کو مکمل ادا کرنا نوافل کی زیادتی سے بہتر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس چیز کے ساتھ ان پر فضل و احسان کیا جاتا ہے یہ اس سے بہتر ہے جو ان کو ان کے اعمال پر جزا دی جاتی ہے۔

وَلَوْلَاۤ اَنْ یَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ یَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُیُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَیْهَا یَظْهَرُوْنَ۝

"اور اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ سب لوگ امت بن جائیں گے تو ہم بنا دیتے ان کے لیے جو انکار کرتے ہیں رحمن کا ان کے مکانوں کے لیے چھتیں چاندی کی اور سیڑھیاں جن پر وہ چڑھتے ہیں (وہ بھی چاندی کی)"۔

اس میں پانچ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ علماء نے کہا: دنیا کی حقارت اور کم مرتبہ کا ذکر کیا وہ اس کی بارگاہ میں اتنی ذلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کے گھروں اور انکی زینوں کو سونے اور چاندی کا بنا دیتا اگر دنیا کی محبت دونوں پر غالب نہ آجاتی اور یہ چیز کفر پر برانگیختہ نہ کرتی۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس کا معنی ہے اگر سارے لوگ اس وجہ سے کافر نہ ہوجاتے کہ وہ دنیا سے محبت کرتے ہیں اور آخرت کو ترک کرتے ہیں تو ہم دنیا میں انہیں وہ عطا کرتے جو ہم نے بیان کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں دنیا ذلیل و رسوا ہے (4)؛ اکثر مفسرین کا یہی نقطہ نظر ہے: یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، سدی اور دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے۔ ابن زید نے کہا: معنی ہے اگر سارے لوگ دنیا کی طلب اور اسے آخرت پر ترجیح دینے کے اعتبار سے بس ایک جیسے نہ ہوجاتے تو جو رحمن کا انکار کرتے ہیں تو ہم ان کے گھروں کے چھت چاندی کے بنا دیتے (5)۔ کسائی نے کہا: معنی ہے اگر کفار میں غنی اور فقیر نہ ہوتے

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 223 2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 224 3۔ ایضاً
4۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 5 5۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 224

اور مسلمانوں میں اسی کی مثل نہ ہوتے تو ہم کفار کو دنیا دے دیتے، یہ اس کی ذلت وحقارت کی وجہ سے ہوتا۔

مسئلہ نمبر 2۔ ابن کثیر اور ابو عمرو نے سَقْفًا پڑھا ہے یعنی سین کو مفتوح اور قاف کو ساکن پڑھا ہے یہ واحد کا صیغہ ہے اور اس کا معنی جمع کا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد پر قیاس کرتے ہیں: فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ (النحل: 26) باقی قراء نے سین اور قاف کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اور صیغہ جمع کا ہے جس طرح رَهْن اور رُهُن ہے۔ ابو عبید نے کہا: ان میں تیسرا وزن نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ سقیف کی جمع ہے جس طرح کَثِیب کی جمع کُثُب ہے رَغِیف کی جمع رُغُف ہے؛ یہ فراء کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ سقوف کی جمع ہے پس یہ جمع کی جمع ہوئی سقف وسقوف، جس طرح فلس، فُلُوس۔ پھر انہوں نے فعولاً بنایا گویا یہ اسم واحد ہے تو انہوں نے فُعُل کے وزن پر جمع بنا دیا۔

مجاہد سے مروی ہے: یہ سَقْفًا ہے یعنی قاف کو ساکن کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لِبُيُوْتِهِمْ میں لام، علی کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ بدل ہے جس طرح تو کہتا ہے: فعلت هذا للزيد لكرامته اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ (النساء: 11) اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا: لَجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ۔

مسئلہ نمبر 3۔ مَعَارِجَ اس سے مراد زینے ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے؛ یہ جمہور کا قول ہے اس کا واحد معراج ہے معراج کا معنی سیڑھی ہے اسی سے لیلۃ المعراج ہے اس کی جمع معارج اور معاریج ہے جس طرح مفاتح اور مفاتیح دو لغتیں ہیں معاریج یہ ابو رجاء عطاردی اور طلحہ بن مصرف کی قراءت ہے اس سے مراد سیڑھیاں ہیں۔ اخفش نے کہا: اگر تو چاہے تو اس کا واحد مِعْرَج اور مَعْرَج ہے جس طرح مِرْقَاة ہے۔

عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ۞ ھا ضمیر سے مراد معارج ہیں جن پر وہ چڑھتے ہیں یہ جملہ کہا جاتا ہے: ظهرت على البيت یعنی میں اس کی چھت پر چڑھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو آدمی کسی چیز پر بلند ہوتا ہے تو وہ لوگوں کے لیے نمایاں ہو جاتا ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: ظهرت على الشئ میں نے اسے جانا۔ ظهرت على العدو۔ میں دشمن پر غالب آ گیا۔ نابغہ بن جعدہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ شعر پڑھا:

علونا السماء عزّةً ومهابةً　　وأنا لنرجو فوق ذلك مظهرا (1)

ہم عزت اور ہیبت کے اعتبار سے آسمان پر چڑھ گئے بے شک ہم اس سے اوپر چڑھنے کی امید رکھتے ہیں۔

مظهر کا معنی مصعد ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہو گئے (2) فرمایا: "کہاں؟" عرض کی: جنت کی طرف۔ فرمایا: "ہاں ان شاء اللہ"۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اللہ کی قسم! دنیا نے اپنے مکینوں میں سے اکثر کو مائل کر لیا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے ایسا کیا بھی نہیں اگر اللہ تعالیٰ اس طرح کر دیتا تو کیا حال ہوتا (3)۔

مسئلہ نمبر 4۔ بعض علماء نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ چھت پر بالائی منزل والے کا کوئی حق نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے چھت کو کمرے کا حصہ قرار دیا ہے جس طرح دروازوں کو اس کا حصہ قرار دیا ہے؛ یہ امام مالک کا نقطہ نظر ہے۔ ابن

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 224　　2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 225　　3۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 5

عربی نے کہا: اس کی وجہ یہ ہے کیونکہ بیت سے مراد صحن، دیوار، چھت اور دروازہ ہے جس کا وہ کمرہ ہوتا ہے اس کے لیے یہ اجزا بھی ہونگے اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اس کا علو آسمان تک ہے (1)۔ سفل میں اختلاف ہے کچھ علماء نے کہا: سفل اسی کا ہوگا جس کا وہ کمرہ ہے اور ان میں سے بعض نے کہا: زمین کے بطن میں سے کوئی چیز اس کے لیے نہ ہوگی۔

ہمارے مذہب میں دو قول ہیں: اسرائیلی کی حدیث صحیح پہلے بیان کی جائیگی کہ ایک آدمی نے دوسرے آدمی کے ہاتھ گھر بیچا اس کی تعمیر کی اس میں سونے کا ایک گھڑا پایا وہ اس گھڑے کو بیچنے والے کے پاس لایا اس نے کہا: میں نے گھر خریدا تھا گھڑا نہیں خریدا تھا بیچنے والے نے کہا: گھر میں جو کچھ تھا اس کے ساتھ میں نے گھر بیچا تھا ان میں سے ہر ایک نے گھڑے کو لینے سے انکار کر دیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درمیان فیصلہ فرمایا، ان میں سے ہر ایک اپنے بچے کی شادی دوسرے کی بچی سے کر دے اور یہ مال ان دونوں کو دے دیا جائے۔ صحیح بات یہ ہے کہ اوپر والا حصہ اور نچلے والا حصہ اسی کمرے والے کا ہے مگر اس صورت میں کہ وہ بیع کرتے وقت اسے خارج کر دیں جب ان دونوں میں سے ایک نے دونوں جگہوں میں سے ایک کو بیچا تو اس سے جو نفع اٹھایا جاتا ہے وہ اس کے لیے ہوگا اور باقی خریدنے والے کے لیے ہوگا۔

مسئلہ نمبر 5۔ بالائی منزل اور زیریں حصہ کے احکام:۔ جب بالائی حصہ اور نچلے والا حصہ دو افراد کی ملکیت میں ہوں نچلی منزل خراب ہو جائے یا اسکا مالک اس کے گرانے کا ارادہ کرے سحنون نے اشہب سے روایت نقل کی ہے انہوں نے کہا: جب زیریں منزل والا اسے گرانا چاہے یا بالائی منزل والا اس پر مسجد بنانا چاہے تو مجبوری کے بغیر زیریں منزل والا اسے نہ گرائے اس کا گرانا بالائی منزل والے کے مناسب ہونا چاہیے کہیں ایسا نہ ہو کہ زیریں منزل کے گرانے سے بالائی منزل گر جائے بالائی منزل والے کو حق حاصل نہیں کہ بالائی منزل والا اوپر منزل بنائے جو اس سے پہلے نہ ہو مگر معمولی سی چیز جو زیریں منزل والے کو نقصان نہ دے۔

اگر بالائی منزل کی چھت میں سے ایک لکڑی ٹوٹ جائے تو وہ اس کی جگہ دوسری لکڑی رکھ لے جبکہ وہ پہلی لکڑی سے بھاری نہ ہو اور زیریں منزل پر ضرر کا خوف نہ ہو۔

اشہب نے کہا: گھر کا دروازہ زیریں منزل والے کا ذمہ ہے اگر زیریں منزل گر جائے تو اس کے مالک کو اس کے بنانے پر مجبور کیا جائے گا بالائی منزل والے پر لازم نہیں کہ وہ زیریں منزل تعمیر کرے اگر زیریں منزل والا تعمیر سے انکار کر دے تو اسے کہا جائے گا: اس کے ہاتھ بیچ دے جو اس کو بنائے۔

ابن قاسم نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے کہ زیریں منزل ایک آدمی کی ہے اور بالائی منزل دوسرے آدمی کی ہے زیریں منزل خراب ہو جاتی ہے تو اس کو درست کرنا زیریں منزل والے کے ذمہ ہے اس کے ذمہ یہ بھی ہے کہ بالائی منزل کو سہارا دے یہاں تک کہ وہ زیریں منزل کو درست کرے۔

حضرت نعمان بن بشیر نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے فرمایا: ''حدود اللہ پر قائم رہنے والا اور ان میں واقع

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1682

ہونے والا ان لوگوں کی مثل ہے جو ایک کشتی میں قرعہ اندازی کرتے ہیں ان میں سے بعض کو بالائی حصہ ملتا ہے اور ان میں سے بعض اسکا زیریں حصہ پاتے ہیں جو نچلے حصہ میں ہیں جب پانی لیتے ہیں تو اوپر والے لوگوں کے پاس سے گذرتے ہیں انہوں نے کہا: اگر ہم اپنے حصہ میں سے ایک سوراخ کرلیں اور اوپر والوں کو اذیت نہ دیں اگر اوپر والے انہیں چھوڑے رہیں اور جو وہ ارادہ کریں تو سب کے سب ہلاک ہو جائیں اگر اوپر والوں نے ان کے ہاتھوں کو پکڑ لیا تو سب کے سب نجات پا جائیں گے (1)'' یہ اس باب میں اصل ہے یہ امام مالک اور اشہب کی دلیل ہے اس میں یہ دلیل بھی موجود ہے کہ نچلے حصہ والے کو حق حاصل نہیں کہ وہ کوئی ایسا نیا کام کرے جو اوپر والے کو نقصان پہنچاتا ہو اگر اس نے کوئی ایسا نیا کام کیا جس سے نقصان ہوا تو اس پر یہ لازم ہے کہ وہ اسے درست کرے بالائی منزل والے پر درست کرنے کی کوئی ذمہ داری نہ ہوگی اوپر والے کو حق حاصل ہوگا کہ وہ نقصان پہنچانے والی چیز سے اسے روک دے کیونکہ رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''اگر انہوں نے ان کے ہاتھوں کو پکڑ لیا تو سب کے سب نجات پا جائیں گے'' ظالم کے علاوہ کسی کا ہاتھ پکڑنا جائز نہیں یا وہ امر ممنوع ہو کہ وہ کوئی ایسا کام کرے جو جائز ہی نہ ہو اس میں یہ دلیل بھی موجود ہے کہ جو آدمی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کو ترک کرتا ہے وہ سزا کا مستحق ہے سورۃ الانفال میں یہ بات گذر چکی ہے اس میں یہ دلیل بھی موجود ہے کہ قرعہ جائز اور اس کا استعمال بھی جائز ہے سورۂ آل عمران میں یہ بحث گذر چکی ہے، اس کے تمام مواقع پر غور کر تو اسے واضح انداز میں پائے گا۔ الحمد للہ۔

وَ لِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّ سُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِـُٔوْنَ ﴿۳۴﴾ وَزُخْرُفًا ۭ وَ اِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۵﴾

''اور ان کے گھروں کے دروازے بھی چاندی کے اور وہ تخت جن پر وہ تکیہ لگاتے ہیں وہ بھی چاندی اور سونے کے اور یہ سب (سنہری اور (چیلی) چیزیں دنیوی زندگی کا سامان ہیں، اور آخرت کی عزت و کامیابی آپ کے نزدیک پرہیزگاروں کے لیے ہے''۔

وَ لِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا یعنی ہم نے ان کے گھروں کے دروازے بنا دیئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لِبُيُوْتِهِمْ، لِمَنْ يَّكْفُرُ بالرحمٰن سے بدل اشتمال ہے یعنی چاندی کے دروازے۔ وَّ سُرُرًا اسی طرح پلنگ بھی چاندی کے سو دیہ سریر کی جمع ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اسرۃ کی جمع ہے اور اسرۃ، سریر کی جمع ہے پس سرر جمع کی جمع ہے۔

عَلَيْهَا يَتَّكِـُٔوْنَ ﴿۳۴﴾ اتکاء اور توکؤ سے مراد یہ ہے کہ کسی چیز کا سہارا لینا، اسی سے اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا (طٰہٰ:18) یعنی میں اس پر سہارا لیتا ہوں رجل تُكَأَةٌ جس طرح هُمَزَة ہے بہت زیادہ سہارا لینے والا۔ اس سے اسم فاعل متکی ہے اسم ظرف متکا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: طعنه حتی اتكأه اس نے اسے نیزہ مارا یہاں تک کہ اسے سہارا لینے پر مجبور کر دیا یعنی اسے سہارا لینے والے کی طرح گرا دیا اسی طرح توكأت على العصا میں نے ڈنڈے کا سہارا لیا۔ تمام میں تاء کی اصل واؤ ہے اس کے ساتھ وہی کچھ کیا گیا جو اتزن اور اتعد کے ساتھ کیا گیا۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب فی الشرکۃ، باب ھل یقرع فی القسمۃ والاستھام فیہ، جلد 1، صفحہ 339

وَزُخْرُفًا یہاں زخرف سے مراد سونا ہے (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء سے مروی ہے أو یکون لك بیت من زخراف یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔

ابن زید نے کہا: اس سے مراد وہ سامان ہے جو لوگ اپنے گھروں میں رکھتے ہیں (2)۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس سے مراد نقوش ہیں (3)، اس کا اصل معنی زینت ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: زخرفت الدار۔ میں نے گھر کو مزین کیا تزخرف فلان۔ فلاں مزین ہوا۔ زُخْرُفًا کو نصب اس لیے دی گئی کہ اسکی تعبیر یوں ہے وجعلنا لھم مع ذلك زخرفا اس کے ساتھ ساتھ ہم نے ان کے لیے زینت بنادی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ حرف جار کے حذف کے ساتھ منصوب ہے معنی ہے ہم نے ان کے لیے چھت، دروازے، سونے اور چاندی کے پلنگ بنائے جب من کو حذف کیا تو کہا وَزُخْرُفًا تو اسے نصب دی گئی۔

وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا عاصم، حمزہ اور ہشام نے ابن عامر سے اِنْ تشدید کے ساتھ پڑھا جبکہ باقی قراء نے اسے مخفف پڑھا ہے یہ بحث بھی ذکر کی جا چکی ہے۔ ابورجاء سے لما کے لام کو مکسور نقل کیا گیا ہے اس کے نزدیک ما، الذی کے معنی میں ہے اس کی ضمیر عائد محذوف ہے تقدیر کلام یوں ہے اِنّ کل ذلك الذی ھو متاع الحیاۃ الدنیا یہاں سے ضمیر کو حذف کر دیا گیا ہے جس طرح اسے حذف کیا گیا ہے اس کی قراءت کے مطابق جس نے قراءت کی مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا (البقرۃ: 26) تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ (الانعام: 154) ابوالفتح نے کہا کہ اس قراءت کی بنا پر کل منصوب ہے کیونکہ اِن مثقلہ سے مخففہ ہے جب اسے مخفف کر دیا جائے اور اس کا عمل باطل ہو جائے تو کلام کے آخر میں لام لازم ہوتا ہے تاکہ اس کے اور ان نافیہ میں فرق ہو جائے جو ما کے معنی میں ہوتا ہے جس طرح اِنْ زید لقائم یہاں لام جارہ کے سوا کوئی لام نہیں۔

وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ یعنی جو متقی بنتا ہے اور خوف کھاتا ہے اس کے لیے جنت ہے۔ کعب نے کہا: میں اللہ تعالیٰ کی نازل کتب میں سے بعض میں پاتا ہوں لولا أنْ یَحْزَنَ عبدی المؤمن لکلّلت رأس عبدی الکافر بالإکلیل ولا یتصدع ولا ینبض منه عرق بوجع اگر یہ نہ ہوتا کہ میرا مومن بندہ غمگین ہوگا تو میں اپنے کافر بندے کے سر پر تاج پہنا تا اس کو سر درد نہ ہوتا اور نہ ہی درد کی وجہ سے اس کا پسینہ پھوٹتا۔

صحیح ترمذی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: الدنیا سجن المؤمن و جنۃ الکافر "دنیا مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے" (4)۔

سہل بن سعد سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لو صنت الدنیا تعدل عند اللہ جناح بعوض ما سقی کافرا منھا شربۃ ماء "اگر دنیا اللہ تعالیٰ کے ہاں مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کافر پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ پیتا" (5)۔ اس باب میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت ہے کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 225 | 2۔ ایضاً | 3۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 5

4۔ صحیح مسلم، کتاب فی الزھد و الرقائق، باب الدنیا سجن المؤمن، جلد 2، صفحہ 407

5۔ جامع ترمذی، کتاب فی الزھد، باب ما جاء فی ھوان الدنیا علی اللہ، جلد 2، صفحہ 56

لوگوں نے یہ اشعار پڑھے:

فلوكانت الدنيا جزاء لمحسن　　إذالم يكن فيها معاش لظالم

لقد جاع فيها الأنبياء كرامةً　　وقد شبعت فيها بطون البهائم

اگر دنیا محسن کی جزا ہوتی تو اس میں ظلم کی زندگی کا وجود ہی نہ ہوتا اس میں انبیاء کرامت کے باوجود بھوکے رہے اور چوپاؤں کے پیٹ سیر ہوئے۔

ایک اور شاعر نے کہا:

تمتع من الآيام إن كنت حازما　　فإنك فيها بين ناهٍ وآمرٍ

تو اگر محتاط ہے تو ان ایام سے تھوڑا سا لطف اٹھالے بے شک تو اس میں روکنے والے اور حکم دینے والے کے درمیان ہے۔

إذا أبقت الدنيا على المرء دينه　　فما فاته فيها فليس بضائر

جب دنیا انسان پر اسکا دین باقی رکھے تو جو چیز اس سے فوت ہوئی وہ اس کو نقصان دینے والی نہیں۔

فلاتَزِنُ الدنيا جناح بعوضة　　ولا وزن زق من جناح لطائر

دنیا کا وزن مچھر کے پر سے نہ کر اور نہ ہی پرندے کے بازو کے ایک پر سے۔

فلم يرض بالدنيا ثوابا لمحسن　　ولا رضى الدنيا عقا بالكافر

وہ محسن کو دنیا کے ساتھ بدلہ دینے پر راضی نہیں اور نہ ہی کافر کو سزا دینے پر دنیا سے راضی ہے۔

وَ مَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ﴿۳۶﴾ وَ اِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۷﴾ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَنَا قَالَ يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ ﴿۳۸﴾

''اور جو شخص دانستہ اندھا بنتا ہے رحمان کے ذکر سے تو ہم مقرر کر دیتے ہیں اس کیلئے ایک شیطان پس ہر وقت اس کا رفیق رہتا ہے۔ اور شیاطین روکتے ہیں ان اندھوں کو راہ ہدایت سے اور یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں یہاں تک کہ جب وہ اندھا ہمارے پاس آئے گا تو آنکھیں کھل جائیں گی کہے گا: کاش! میرے درمیان اور اے شیطان! تیرے درمیان مشرق و مغرب کی دوری ہوتی تو تو بہت برا ساتھی ہے''۔

وَ مَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ﴿۳۶﴾ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عکرمہ نے ومن يَعْشَ پڑھا ہے(1) اس کا معنی اندھا ہونا ہے اسی معنی میں ہے عشی یعشی عشا جب وہ اندھا ہو، رجل اعشی، امراۃ عشواء جب وہ دیکھتا نہ ہو اس معنی میں اعشی کا قول ہے:

رأت رجلًا غائب الوافِدَين　　مختلفَ الخلق أعشَى ضريرا

1۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 135

اس نے ایک ایسا آدمی دیکھا جس کے ساتھی جا چکے تھے شکل وصورت بڑی عجیب اور وہ اندھا تھا۔

باقی قراء نے اسے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے یہ عشا یعشو سے مشتق ہے جب اسے ایسا عارضہ لاحق ہو جو اندھے کو لاحق ہوتا ہے خلیل نے کہا: عشو سے مراد کمزور نظر دیکھنا (1)؛ اور یہ شعر پڑھا:

متی تأتِہِ تَعْشُو إلی ضَوْ نارہ تَجِد خیرَ نارٍ عندھا خَیرُ مُوقِد (2)

ایک اور شاعر نے کہا:

لنعم الفتی یعشو إلی ضوْ نارہ إذا الریح ھبت والمکان جدیب

وہ کتنا اچھا نوجوان ہے جو اپنی آگ کی روشنی کی طرف لڑکھڑاتے ہوئے جاتا ہے جب کہ ہوا چل رہی ہے اور مکان چٹیل ہے۔

جوہری نے کہا: عشیٰ الف مقصورہ کے ساتھ اعشیٰ کا مصدر ہے یہ اس شخص کو کہتے ہیں جو رات کو نہیں دیکھ سکتا وہ صرف دن کو دیکھتا ہے اس کے یہ صیغے استعمال ہوتے ہیں امراۃ عشواء، امرأتان عشواوان۔ أعشاہ اللہ فعشی یعشی عشی۔ ھما یعشیان وہ یہ نہیں کہتے یشوان۔ کیونکہ واؤ جب واحد کے صیغہ میں ماقبل کے کسرہ کی وجہ سے یاء ہو جائے تو تثنیہ کے صیغہ میں اپنی حالت پر رہتی ہے تعاشی۔ جب وہ اپنے بارے میں یہ ظاہر کرے کہ وہ اندھا ہے اعشی کا اسم منسوب اعشوی آتا ہے اور عشیہ کا اسم منسوب عشوی آتا ہے عشواء اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو سامنے نہ دیکھ سکے تو وہ بے ہنگم اپنے پاؤں ہر چیز پر مارتی ہے رکب فلان العشواء۔ جب وہ اپنے معاملہ میں سوچے سمجھے بغیر شروع ہو گیا۔ فلان خابط خبط عشواء فلاں آدمی اندھی اونٹنی کی طرح ٹامک ٹوئیاں مار رہا ہے۔

یہ آیت سورت کے آغاز اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا کے ساتھ متصل ہے یعنی ہم تمہارے لیے پے در پے ذکر کرتے ہیں جو آدمی اس ذکر سے اندھا بنا رہتا ہے کہ اس سے اعراض کرتا ہے اور گمراہوں اور باطل لوگوں کے اقوال کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اس کے کفر کی جزا کے طور پر ہم ایک شیطان اس پر مسلط کر دیتے ہیں فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ وہی اس کا ساتھی ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ دنیا میں ایسا ہوتا ہے جو حلال چیز سے اسے روکتا ہے اور حرام چیز پر اسے برانگیختہ کرتا ہے اسے اطاعت سے منع کرتا ہے اور اسے معصیت کا حکم دیتا ہے؛ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کا یہی معنی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آخرت میں ہے ہوگا جب وہ اپنی قبر میں سے اٹھے گا؛ یہ حضرت سعید بن جبیر کا قول ہے حدیث طیبہ میں ہے ”کافر جب اپنی قبر سے نکلتا ہے تو ایک شیطان اس کے ساتھ ہو لیتا ہے وہ اسکے ساتھ ہی رہتا ہے یہاں تک کہ وہ دونوں جہنم میں داخل ہو جاتے ہیں اور مومن کا ساتھی فرشتہ بنا دیا جاتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے درمیان فیصلہ فرما دے گا“ یہ مہدوی نے ذکر کیا ہے۔

قشیری نے کہا: صحیح یہ ہے کہ وہ شیطان دنیا اور آخرت میں اس کا ساتھی ہوتا ہے۔ ابو ہیثم اور ازہری نے کہا: عشوت إلی کذا۔ میں نے اس کا قصد کیا۔ عشوت عن کذا۔ میں نے اس سے اعراض کیا إلی اور عن صلہ کی وجہ سے معنی میں فرق ہوگا جس

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 99
2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 225

طرح مِلتُ اِلیه اور مِلتُ عنه میں فرق ہے۔ قتادہ نے بھی اسی طرح کہا ہے یعش یعنی وہ اعراض کرتا ہے؛ یہ فراء کا قول ہے نحاس نے کہا: یہ لغت میں معروف نہیں۔ قرطبی نے کہا: وہ اپنی کمر کو دہرا کرتا ہے۔ معنی ایک ہی ہے۔ ابو عبیدہ اور اخفش نے کہا: اس کی آنکھ تاریک ہوجاتی ہے۔ عتبی نے اس کا انکار کیا ہے کہ عشوت، أعرضت کے معنی میں ہے کہا درست تعاشیت ہے یہ قول، ابو ہیثم اور ازہری کا ہے تمام اہل علم نے یہی کہا ہے: سلمی، ابن اسحاق، یعقوب اور عصمہ نے عاصم اور اعمش سے یقیض پڑھا ہے کیونکہ الرَّحْمٰنِ کا ذکر ہے معنی ہو گا رحمٰن اس کے لیے شیطان مسلط کر دیتا ہے باقی قراء نے اسے نون کے ساتھ پڑھا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ﴿۳۶﴾ قرین کا معنی ساتھ رہنے والا اور ساتھی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ شیطان سے کنایہ ہے جس طرح پہلے گذر چکا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ اعراض عن القرآن سے کنایہ ہے یعنی وہ شیطان کا قرین ہے وَ اِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ شیاطین انہیں ہدایت کے راستہ سے روکتے ہیں یہاں جمع کا صیغہ ذکر کیا کیونکہ وَ مَنْ يَّعْشُ میں مَنْ جمع کے معنی میں ہے وَ يَحْسَبُوْنَ واؤ ضمیر سے مراد کفار ہیں یعنی کفار گمان کرتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ کفار یہ گمان کرتے ہیں کہ شیاطین ہدایت یافتہ ہیں پس کفار ان کی اطاعت کرتے ہیں حَتّٰۤى اِذَا جَآءَنَا فعل کا صیغہ واحد ہے۔ ابو عمرو، حمزہ، کسائی اور حفص نے یہ پڑھا ہے یعنی جب کافر قیامت کے روز ہمارے پاس آئے گا، باقی قراء نے اسے جَآءَنَا تثنیہ کا صیغہ پڑھا ہے یعنی کافر اور اس کا ساتھی جب ہمارے پاس آئے گا دونوں کو ایک سلسلہ میں رکھا گیا ہے تو کافر کہے گا: يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ یعنی موسم سرما اور موسم گرما کا مشرق، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَ رَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ﴿۱۷﴾ (الرحمٰن) اسی کی مثل مقاتل کا قول ہے۔ واحد کے صیغہ کی قراءت اگرچہ اس کا ظاہر تو افراد کے معنی پر ہے تاہم معنی دونوں کے لیے ہے کیونکہ مابعد کلام سے اسے پہچان لیا گیا ہے جس طرح شاعر نے کہا:

وعَيْن لها حَدْرَةٌ بَدْرَةٌ شُقَّت مآقيها من أخَرْ

محل استدلال عین ہے لفظ میں واحد ہے اور معنی میں تثنیہ کیونکہ مآقيها اس پر دلالت کر رہا ہے۔

مقاتل نے کہا: کافر تمنا کرے گا کہ کاش اس کے اور اس کے ساتھی کے درمیان اتنی دوری ہوتی جو سال کے طویل ترین اور مختصر ترین دن کے درمیان ہوتی ہے اسی وجہ سے فرمایا: بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ۔ فراء نے کہا: مراد مشرق و مغرب ہے ان دونوں ہی سے ایک کے اسم کو غلبہ دیا جس طرح کہا جاتا ہے قمران، مراد سورج اور چاند ہوا کرتا ہے۔ عمران مراد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں بصرتان کوفہ اور بصرہ کے لیے۔ عصران، صبح اور عصر کے لیے ذکر کرتے ہیں۔ شاعر نے کہا:

أخذنا بآفاق السماء عليكم لنا قمراها و النجوم الطوالع(1)

ہم نے تمہارے خلاف آسمان کے آفاق کو اپنی گرفت میں لے لیا ہے ہمارے پاس اس کا سورج اور چاند روشن ستارے ہیں۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 226

ابو عبیدہ نے جریر کا شعر پڑھا:

ما كان يرضى رسول الله فعلهم والعُمَران أبوبكر ولا عمر

ان کے عمل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، عمران یعنی حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما راضی نہیں۔

سیبویہ نے یہ شعر پڑھا: قَدْنِیَ من نَصْرِ الخُبَیْبَین قَدِی

خبیبین سے مراد عبد اللہ اور مصعب ہے جو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے بیٹے تھے وہ ابو خبیب عبد اللہ تھے۔

فَبِئْسَ الْقَرِیْنُ تو کتنا برا ساتھی ہے کیونکہ وہ اسے آگ پر لے جائے گا۔ حضرت ابو سعید خدری نے کہا: جب کافر کو اٹھایا جائے گا تو شیطان میں سے اس کے ساتھی کو ساتھ ملا دیا جائیگا وہ اس سے جدا نہیں ہوگا یہاں تک کہ اس کے ساتھ جہنم میں چلا جائے گا(1)۔

وَلَنْ یَّنْفَعَكُمُ الْیَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِی الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۹﴾

"اور (یہ شور و فغاں) تمہیں کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتا آج جبکہ تم دنیا میں ظلم کر رہے ہو تم سب اس عذاب میں حصہ دار ہو"۔

وَلَنْ یَّنْفَعَكُمُ الْیَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اذ، یوم سے بدل ہے یعنی اللہ تعالیٰ کافر سے فرمائے گا: جب تم نے دنیا میں شرک کیا تو اس وقت تمہاری یہ گفتگو تمہیں کوئی نفع نہ دے گی۔ وہ کافر کا قول ہے یٰلَیْتَ بَیْنِیْ وَ بَیْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَیْنِ یعنی آج تمہیں ندامت نفع نہ دے گی اَنَّكُمْ میں ہمزہ مکسور ہے فِی الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۹﴾ یہ ابن عامر کی قراءت ہے جبکہ باقی قراء نے ان کے ہمزہ کو مفتوح پڑھا ہے یہ محل رفع میں ہے تقدیر کلام یہ بنے گی لن ینفعکم الیوم اشتراککم فی العذاب کیونکہ ہر ایک کے لیے اس کا وافر حصہ ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں آگاہ کیا کہ جہنمیوں کو منع کر دیا گیا ہے کہ وہ غم کا اظہار کریں جس طرح مصیبت زدہ لوگ دنیا میں غم کا اظہار کرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ غم کے اظہار سے اہل دنیا راحت حاصل کرتے ہیں ان میں سے ایک کہتا ہے لی فی البلاء والمصیبة أسوة۔ آزمائش اور مصیبت میں میں ایک نمونہ ہوں۔ اس طرح وہ غم سے سکون حاصل کرتا ہے جس طرح خنساء نے کہا:

فلولا كثرة الباكين حولی علی إخوانهم لقتلت نفسی
ومایبکون مثل أخی ولکن أعزی النفس عنه بالتأسی(2)

اگر میرے اردگرد اپنے بھائیوں پر رونے والوں کی کثرت نہ ہوتی تو میں اپنے نفس کو قتل کر دیتا وہ میرے بھائی جیسے بھائیوں پر نہیں روتے مگر اپنے نفس کو اس غم کے اظہار پر تسلی دیتی ہوں۔

جب آخرت میں غم کا اظہار انہیں کوئی نفع نہ دے گا تو اللہ تعالیٰ انہیں عذاب میں مشغول کر دے گا۔ مقاتل نے کہا: آج معذرت اور شرمندگی تمہیں کوئی نفع نہ دے گی(3)، کیونکہ تمہارے ساتھی اور تم عذاب میں باہم شریک ہو جس طرح تم

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 100 2۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 137 3۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 100

کفر میں شریک ہو۔

اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِی الْعُمْیَ وَ مَنْ كَانَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝

"کیا آپ سنانا چاہتے ہیں بہروں کو یا راہ دکھانا چاہتے ہیں اندھوں کو اور انہیں جو کھلی گمراہی میں ہیں"۔

اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِی الْعُمْیَ خطاب سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے وَ مَنْ كَانَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ یعنی یہ آپ کے لیے نہیں اس لیے اگر وہ کفر کرتے ہیں تو آپ کا سینہ تنگ نہ پڑے۔ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تسلی ہے اس میں قدریہ اور دوسرے افراد کے لیے رد ہے دل میں ہدایت، رشد اور گمراہی یہ سب اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہیں جس کے حق میں چاہتا ہے گمراہی تخلیق فرما دیتا ہے اور جس کے حق میں چاہتا ہے ہدایت مقدر کر دیتا ہے۔

فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ۝ اَوْ نُرِیَنَّكَ الَّذِیْ وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَیْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ ۝

"پس اگر ہم لے جائیں آپ کو اس دار فانی سے تو پھر بھی ہم ان سے بدلہ لیں گے یا ہم آپ کو دکھا دیں گے وہ عذاب جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے پس ہم ان پر پوری طرح قادر ہیں"۔

فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ اس سے مراد یہ لی ہم آپ کو مکہ مکرمہ سے قریش کی اذیت سے نکال کر لے جائیں فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ۝ اَوْ نُرِیَنَّكَ الَّذِیْ وَعَدْنٰهُمْ اس سے مراد تیری زندگی میں ان سے انتقام لینا ہے فَاِنَّا عَلَیْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ ۝ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ منظر بدر کے روز دکھایا؛ یہ اکثر مفسرین کا قول ہے۔ حضرت حسن بصری اور قتادہ نے کہا: یہ مسلمانوں میں ہے اس سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد فتنے ہیں (1) نَذْهَبَنَّ بِكَ اسی پر ہم تجھے موت عطا کر دیں گے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد شدید انتقام واقع ہوا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو عزت بخشی اللہ تعالیٰ آپ کو لے گیا اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت میں نہیں دکھایا مگر وہی کچھ جس سے آنکھ ٹھنڈی ہوئی اور انتقام کو اس کے بعد رکھا کوئی نبی نہیں گذرا مگر اس کی امت میں انتقام اسے دکھایا گیا۔

روایت بیان کی جاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت جب آزمائش کو پانے والی تھی وہ آپ کو دکھائی گئی تو آپ ہمیشہ منقبض ہی رہے آپ کھل کر نہ ہنسے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی (2)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جب اللہ تعالیٰ کسی امت کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے پہلے اس کے نبی کو قبض کر لیتا ہے اور اس نبی کو اس امت کے لیے فرط اور سلف بنا لیتا ہے اور جب کسی امت کو عذاب دینے کا ارادہ کرتا ہے تو اسے عذاب دیتا ہے جبکہ اس کا نبی زندہ رہتا ہے تاکہ اس کی آنکھ ٹھنڈی ہو جب انہوں نے نبی کی تکذیب کی اور اس کے حکم کی نافرمانی کی"۔

فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِیْۤ اُوْحِیَ اِلَیْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ وَ اِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 6
2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 227

وَ لِقَوۡمِکَ ۚ وَ سَوۡفَ تُسۡـَٔلُوۡنَ ﴿۴۴﴾

"پس مضبوطی سے پکڑے رہیے اس قرآن کو جو آپ کی طرف وحی کیا گیا ہے بے شک آپ سیدھی راہ پر ہیں۔ اور بے شک یہ بڑا شرف ہے آپ کے لیے اور آپ کی قوم کے لیے اور (اے فرزندان اسلام) تم سے جواب طلبی ہوگی"۔

فَاسۡتَمۡسِکۡ بِالَّذِیۡۤ اُوۡحِیَ اِلَیۡکَ۔ بِالَّذِیۡۤ اُوۡحِیَ اِلَیۡکَ سے مراد قرآن حکیم ہے اگرچہ اس کو جھٹلایا جس نے جھٹلایا اِنَّکَ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۴۳﴾ یہ تمہیں الله تعالیٰ اس کی رضا اور ثواب تک پہنچا دے گا وَ اِنَّهٗ لَذِکۡرٌ لَّکَ وَ لِقَوۡمِکَ یعنی قرآن تیرے لیے اور تیری قوم قریش کے لیے شرف ہے کیونکہ یہ انکی لغت اور انہیں میں سے ایک فرد پر نازل ہوا اس کی مثل الله تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: لَقَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکُمۡ کِتٰبًا فِیۡهِ ذِکۡرُکُمۡ (الانبیاء:10) یعنی تمہارے لیے شرف ہے قرآن حکیم قریش کی زبان میں نازل ہوا اور انہیں کو خطاب کیا پس تمام لغتوں والے اس امر کے محتاج ہیں جو بھی ایمان لایا وہ ان کے خوشہ چین ہوئے کیونکہ تمام لغتوں والے اس امر کے محتاج ہیں کہ ان کی لغت کو اپنائیں یہاں تک کہ اس معنی پر آگاہی حاصل کریں جس کا امر، نہی اور خبر سے ارادہ کیا گیا ہے اس اعتبار سے قریش تمام اہل لغات پر شرف والے ہو گئے اسی وجہ سے انہیں عربی کہا گیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ تیرے لیے اور تیری امت کے لیے بیان ہے جس کے تم محتاج ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ تذکرہ ہے جس کی مدد سے تم دین کا معاملہ سمجھتے ہو اور اس پر عمل کرتے ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَ اِنَّهٗ لَذِکۡرٌ لَّکَ وَ لِقَوۡمِکَ اس سے مراد خلافت ہے یہ قریش میں ہے غیروں میں نہ ہوگی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اس مسئلہ میں لوگ قریش کے تابع ہیں لوگوں کے مسلمان قریش کے مسلمانوں کے تابع ہوں گے اور ان کے کافر ان کے کافروں کے تابع ہوں گے" (1)۔

امام مالک نے کہا: اس سے مراد آدمی کا یہ قول ہے: مجھے میرے والد نے میرے باپ سے وہ ابن ابی مسلمہ سے وہ اپنے باپ سے وہ حضرت مالک بن انس سے روایت نقل کرتے ہیں؛ یہ ماوردی، ثعلبی اور دوسرے علماء نے ذکر کیا (2)۔ ابن عربی نے کہا: میں نے اسلام میں ایسا مرتبہ کسی کے لیے نہیں پایا مگر بغداد میں ایسا پایا (3) کیونکہ بنی تمیم وہاں یہ کہا کرتے تھے: مجھے میرے باپ نے بیان کیا کہا اور سند رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم تک چلائی اس طرح ان کی اقدار شرف والی ہو گئیں لوگوں نے ان کی شان کو عظیم خیال کیا اور خلافت نے انہیں تلاش کیا۔

میں نے مدینۃ السلام میں ابو محمد رزق الله بن عبد الوہاب ابو فرج بن عبد العزیز بن حارث بن اسد بن لیث بن سلیمان بن اسود بن سفیان بن یزید بن اکینہ بن عبد الله تمیمی کے دو بیٹوں کو دیکھا دونوں کہہ رہے تھے: ہم نے اپنے باپ رزق الله کو کہتے ہوئے سنا کہا: میں نے اپنے باپ کو کہتے ہوئے سنا یہ صیغہ ادا آخر تک چلتا رہا اور آخر میں کہا: میں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا جبکہ ان سے حنان ومنان کے بارے میں سوال کیا گیا تھا فرمایا: حنان اسے کہتے ہیں جو اس کی

1۔ صحیح مسلم، کتاب فی الامارۃ، الناس تبع لقریش والخلافۃ فی قریش، جلد 2، صفحہ 119

2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 227

3۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 84-1683

طرف توجہ کرے جو اس سے اعراض کرے اور منان اسے کہتے ہیں جو سوال سے پہلے عطا کرے۔ جس نے یہ کہا تھا میں نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: وہ اکینہ بن عبداللہ ہے جو ان کا جد اعلیٰ تھا۔ زیادہ قوی یہ ہے وَ اِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَ لِقَوْمِكَ سے مراد قرآن حکیم ہو کلام کا انحصار اسی پر ہے اور اس کی طرف رجوع ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

ماوردی نے کہا: وَ لِقَوْمِكَ میں دو قول ہیں (1) آپ کی امت میں سے جو آپ کی اتباع کرے (1)؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ ثعلبی نے حضرت حسن بصری سے اسے ذکر کیا ہے (2) مراد قریش ہیں (2)، کہا جاتا ہے: وہ کن سے ہے؟ تو جواب دیا جاتا ہے: عربوں میں سے۔ پوچھا جاتا ہے: کون سے عرب؟ تو جواب دیا جاتا ہے: قریش سے؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔

میں کہتا ہوں: صحیح یہ ہے کہ یہ شرف عمل کرنے والے کے لیے ہے وہ قریش سے ہو یا غیر قریش سے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سریہ یا غزوہ سے واپس تشریف لائے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا فرمایا: ''اے فاطمہ! اللہ تعالیٰ کے ہاتھ اپنے آپ کو بیچ دے میں اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں تجھے کوئی نفع نہیں دے سکتا، اپنی ازواج سے بھی اسی کی مثل فرمایا، اپنی اولاد کو بھی اسی کی مثل فرمایا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت میں سے بنو ہاشم لوگوں میں سے اولیٰ نہیں میری امت میں سے بہترین نہیں میری امت میں سے بہترین متقین ہیں، موالی (جو غلام تھے یا جن کے ساتھ معاہدہ ہوا یا جو کسی قبیلہ کے سردار کے ہاتھ پر اسلام لائے) میری امت سے بہترین متقین ہیں تم ایک مرد اور ایک عورت کی اولاد ہو تم صاع کے کناروں سے بھرے پیمانے زائد ماپ کی طرح ہو کسی ایک کو دوسرے پر تقویٰ کے بغیر کوئی فضیلت نہیں''۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''لوگوں کو اس امر سے رک جانا چاہیے کہ وہ جہنم کے کوئلہ میں سے ایک کوئلہ پر فخر کرتے ہیں یا وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سیاہ بھونرے سے بھی زیادہ شریر ہوں جو اپنی ناک سے بدبو پھینکتا ہے تم سب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہو اور حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے ہیں اللہ تعالیٰ نے تم سے دور جاہلیت کا عیب اور آباء پر فخر کو ختم کر دیا ہے، مومن متقی ہے اور فاجر شقی ہے'' دونوں روایات طبری نے ذکر کی ہیں۔ سورۂ حجرات میں اس کی مزید وضاحت آئے گی۔

وَ سَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ ۝ تم سے ان نعمتوں پر شکر بجالانے کے بارے میں پوچھا جائے گا (3)؛ یہ مقاتل اور فراء کا قول ہے۔ ابن جریج نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو عطا کیا ہے اس کے بارے میں آپ سے اور آپ کے ساتھیوں سے باز پرس ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تم نے اس بارے میں جو عمل کیا اس کے متعلق تم سے پوچھا جائے گا: معنی قریب قریب ہے۔

وَ سْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَاۤ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً یُّعْبَدُوْنَ ۝

''اور آپ پوچھیے ان سے جنہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے اپنے رسولوں سے کیا ہم نے بنائے ہیں خداوند کے علاوہ اور خدا تا کہ انکی پوجا کی جائے''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن زید نے کہا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مسجد حرام میں مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی گئی، مسجد اقصیٰ

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 227 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

سے مراد مسجد بیت المقدس ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور آپ کی اولاد میں سے مرسلین کو بھیجا جبکہ جبریل امین نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے حضرت جبریل امین نے آذان کہی پھر نماز کے لیے اقامت کہی پھر کہا: اے محمد! ﷺ آگے بڑھو اور انہیں نماز پڑھاؤ، جب رسول اللہ ﷺ فارغ ہوئے جبریل امین نے کہا: اے محمد! آپ سے قبل جن رسولوں کو بھیجا گیا ہے ان سے پوچھیے: کیا اللہ تعالیٰ نے رحمٰن کے علاوہ اور الٰہ بنائے ہیں جن کی عبادت کی جاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میں نہیں پوچھوں گا تو ہی کافی ہے'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ ستر نبی تھے جن میں حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام تھے آپ نے ان سے سوال نہ کیا کیونکہ آپ ان کی بنسبت اللہ تعالیٰ کے بارے میں زیادہ علم رکھتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسری روایت میں ہے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے سات صفیں بنا کر نماز پڑھی مرسلین کی تین صفیں تھیں اور انبیاء کی چار صفیں تھیں رسول اللہ ﷺ کے متصل پیچھے حضرت ابراہیم خلیل اللہ تھے ان کی دائیں جانب حضرت اسماعیل اور ان کی بائیں جانب حضرت اسحاق پھر حضرت موسیٰ علیہم السلام تھے پھر باقی ماندہ مرسلین تھے رسول اللہ ﷺ نے انہیں دو رکعتیں پڑھائیں جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو کھڑے ہوئے اور کہا: ''میرے رب نے میری طرف وحی کی کہ میں تم سے سوال کروں کیا تم میں سے کوئی ایسا رسول بھی بھیجا گیا ہے جو غیر اللہ کی عبادت کی طرف دعوت دیتا ہو؟'' انہوں نے کہا: اے محمد! ﷺ ہم گواہی دیتے ہیں کہ ہم سب ایک ہی دعوت کے ساتھ بھیجے گئے ہیں وہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے اللہ تعالیٰ کی ذات کو چھوڑ کر جن کی وہ عبادت کیا کرتے ہیں وہ سب باطل ہے آپ خاتم النبیین اور سید المرسلین ہیں آپ نے ہمیں جو امامت کرائی ہے اس سے یہ امر ہمارے لیے ظاہر ہو چکا ہے تیرے بعد قیامت تک کوئی نبی نہیں مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں انہیں حکم دیا گیا ہے کہ وہ آپ کے نقش قدم کی پیروی کریں''(1)۔

سعید بن جبیر نے اللہ تعالیٰ کے فرمان وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَاۤ کے بارے میں فرمایا کہ نبی کریم ﷺ لیلۃ المعراج کو رسولوں سے ملے۔ ولید بن مسلم نے اس ارشاد کی وضاحت میں کہا: میں نے اس بارے میں خلید بن دعلج سے پوچھا تو انہوں نے کہا مجھے قتادہ نے بیان کیا کہا: معراج کی رات ان سے سوال کیا آپ انبیاء سے ملے حضرت آدم سے ملے اور جہنم کے خازن سے ملاقات کی۔

میں کہتا ہوں: اس آیت کی تفسیر میں یہی صحیح ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر رُّسُلِنَاۤ سے پہلے من زائد نہیں۔ مبرد اور علماء کی ایک جماعت نے کہا: اس کا معنی ہے تم سے قبل جو رسول بھیجے گئے ان کی امتوں سے پوچھو۔ یہ بھی روایت کی گئی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں ہے واسأل الذی ارسلنا الیھم قبلك رسلنا یہ قراءت تفسیر کی بنا پر ہے اس تعبیر کی بنا پر من زائد ہے؛ یہ مجاہد، سدی، ضحاک، قتادہ، حسن بصری اور حضرت ابن عباس کا قول ہے(2) یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھیے جو دو کتابوں یعنی تورات و انجیل والے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اے محمد! ﷺ ہم سے ان انبیاء کے بارے میں پوچھیں جو آپ سے قبل مبعوث کیے گئے عن کو حذف کر دیا گیا اور رُّسُلِنَاۤ پر وقف تام ہے پھر انکار کے طریقہ پر

1۔ صاوی علی الجلالین، جلد 4، صفحہ 45 2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 228

استفہام سے ابتدا کی گئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ ان رسولوں کے پیروکاروں سے پوچھیں جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا، تو یہاں سے مضاف محذوف ہے۔ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور مراد ساری امت ہے۔

اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ﴿٤٥﴾ آلھۃ کی خبر اس صیغہ کے ساتھ لگائی گئی جس صیغہ کے ساتھ ذوالعقول کی خبر لگائی جاتی ہے فرمایا یُعْبَدُوْنَ ﴿٤٥﴾، تعبد اور یعبدن نہیں فرمایا کیونکہ ان کے نزدیک آلھۃ ذوالعقول کے قائم مقام ہیں تو ان کی خبر اسی طریقہ پر لگائی گئی جیسے ذوالعقول کی خبر لگائی جاتی ہے۔

سوال کے امر کا سبب یہ تھا کہ یہودیوں اور مشرکین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا: جو آپ لاتے ہیں وہ اس کے مخالف ہے جو آپ سے قبل انبیاء لائے تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ آپ انبیاء سے سوال کریں (1) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے سوال کیا تو رسولوں نے جواب دیا ہمیں توحید کا اعلان کرنے کے لیے مبعوث کیا گیا؛ یہ واقدی کا قول ہے۔

(2) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے سوال نہیں کیا تھا کیونکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں یقین تھا یہاں تک کہ یہ حکایت بیان کی گئی کہ حضرت میکائیل نے حضرت جبریل امین سے پوچھا: کیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں سوال کیا ہے؟ حضرت جبریل امین نے کہا: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ایمان اور یقین اس سے عظیم ہے کہ وہ اس کے بارے میں سوال کریں (1)، یہ بحث دونوں روایات میں گزر چکی ہے جس کا ہم نے ذکر کیا۔

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَاۡىِٕهٖ فَقَالَ اِنِّیْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿٤٦﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰيٰتِنَاۤ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَضْحَكُوْنَ ﴿٤٧﴾ وَ مَا نُرِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ اِلَّا هِیَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا ۫ وَ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿٤٨﴾ وَ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ ﴿٤٩﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿٥٠﴾ وَ نَادٰى فِرْعَوْنُ فِیْ قَوْمِهٖ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَيْسَ لِیْ مُلْكُ مِصْرَ وَ هٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِیْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿٥١﴾ اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ مَهِيْنٌ ۙ۬ وَّ لَا يَكَادُ يُبِيْنُ ﴿٥٢﴾

''اور ہم نے بھیجا موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف پس آپ نے انہیں کہا: بے شک میں رب العالمین کا فرستادہ ہوں۔ پس جب آپ آئے ان کے پاس ہماری نشانیاں لے کر تو اس وقت وہ ان سے ہنسنے لگے۔ اور ہم نہیں دکھاتے تھے انہیں کوئی نشانی مگر وہ بڑی ہوتی پہلی سے اور ہم نے مبتلا کر دیا انہیں عذاب میں تاکہ وہ باز آجائیں۔ اور وہ بولے: اے جادوگر! دعا مانگیے ہمارے لئے اپنے رب سے بسبب اس عہد کے جو اس نے تمہارے ساتھ کیا ہے ہم ضرور ہدایت قبول کریں گے۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 228

پس جب ہم نے دور کر دیا ان سے عذاب تو فوراً وہ عہد شکنی کرنے لگے۔ اور پکارا فرعون اپنی قوم میں اور کہنے لگا: اے میری قوم! کیا میں مصر کا فرمانروا نہیں؟ اور یہ نہریں جو میرے نیچے بہہ رہی ہیں کیا تم انہیں دیکھ نہیں رہے؟ کیا میں بہتر نہیں ہوں اس شخص سے جو ذلیل ہے اور بات بھی صاف نہیں کر سکتا''۔

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَاۤ جب اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ وہ آپ کے دشمن سے انتقام لینے والا ہے اور انبیاء کی شہادت اور تمام کے اتفاق سے توحید پر دلیل قائم کر دی تو اس امر کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے قصہ سے مؤکد کیا، فرعون نے جو تکذیب کی اور اس پر اور اس کی قوم پر غرق کی صورت میں جو عذاب آیا یعنی ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معجزات کے ساتھ بھیجا وہ نو معجزات تھے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جھٹلایا گیا اور اچھا انجام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق میں مقرر کیا گیا یہی صورتحال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔

يَضْحَكُوْنَ۝ کا معنی ہے وہ استہزاء کرتے ہیں وہ اپنے پیروکاروں کو وہم دلاتے ہیں کہ وہ معجزات جادو اور وہم ہیں اور وہ بھی ان پر قادر ہیں۔

وَ مَا نُرِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ اِلَّا هِيَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات بڑے معجزات میں سے تھے ان میں سے ہر ایک پہلے سے بڑا معجزہ تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: پہلا معجزہ علم کا تقاضا کرتا تھا اور دوسرا بھی علم کا تقاضا کرتا تھا تو دوسرے کو پہلے کے ساتھ ملایا جاتا تو وضاحت میں اضافہ ہو جاتا۔ اخوت کا معنی مشاکلت اور مناسبت ہے جس طرح یہ کہا جاتا ہے: هذه صاحبة هذه۔ یعنی دونوں معنی میں قریب ہیں۔

وَ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ انہوں نے معجزات کو جو جھٹلایا وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہیں **وَ لَقَدْ اَخَذْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَ نَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ** (اعراف:130) عذاب سے مراد طوفان، ٹڈیاں، جوئیں اور مینڈک ہیں۔ یہ آخری آیت ان کے لیے عذاب اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات ہیں۔ **لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ۝** شائد وہ کفر سے لوٹ آئیں۔

وَ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَ السّٰحِرُ جب انہوں نے عذاب کو دیکھا تو انہوں نے کہا: اے جادوگر! انہوں نے اس طرح ندا کی جس طرح وہ پہلے عادت کے مطابق ندا کیا کرتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ علماء کو سحرہ کا نام دیتے انہوں نے بطور تعظیم آپ کو اسی نام سے پکارا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: **يٰۤاَيُّهَ السّٰحِرُ**، اے عالم! ساحر ان کے نزدیک عظیم ہوا کرتا وہ اس کی تعظیم بجالایا کرتے تھے سحر صفت ذم نہیں تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے اے وہ شخص جو اپنے سحر کی وجہ سے ہم پر غالب آ گیا ہے، یہ جملہ کہا جاتا ہے: ساحرته فسحرته یعنی میں سحر کی وجہ سے اس پر غالب آ گیا جس طرح عربوں کا قول ہے: خاصمته فخصمته یعنی میں خصومت کے ساتھ اس پر غالب آ گیا اسی طرح فاضلته فضلته ہے۔ یہ بھی احتمال موجود ہے کہ انہوں نے ساحر کا حقیقی معنی مراد لیا ہو اور گفتگو استفہام کے انداز میں کی ہو۔ آپ نے انہیں ملامت نہ کی ہو کیونکہ آپ ان سے ایمان لانے کی امید رکھتے تھے۔ ابن عامر، ابو حیوہ اور یحییٰ بن وثاب نے الف کو بغیر ہاء مضموم کے ساتھ ایہ پڑھا ہے، اس کی علت یہ ہے کہ ہا کو ماقبل کے ساتھ ملا دیا گیا اور یاء کو وہ ضمہ لازم ہو گیا جو ندا مفرد کی وجہ سے واجب تھا فراء نے یہ شعر پڑھا:

يأ ايهُ القلبُ اللّجوجُ النفسِ   أفق عن البيضِ الحسانِ اللُّعُسِ

محل استدلال یا ایهُ ہے۔

ھا کا ضمہ یاء کے ضمہ پر محمول کرنے کی وجہ سے ہے۔ سورۂ نور میں اس کی وضاحت گذر چکی ہے۔ ابو عمرو، ابن ابی اسحاق، یحییٰ اور کسائی نے ایھا الف کے ساتھ اصل پر پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے الف کے بغیر پڑھا ہے کیونکہ مصحف میں اسی طرح واقع ہوا ہے۔

ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ یعنی جس عہد کی تم نے ہمیں خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تجھ سے وعدہ کیا کہ اگر ہم ایمان لائیں تو اللہ تعالیٰ ہم سے اسے دور کر دے گا تو اللہ تعالیٰ سے سوال کیجئے تو وہ ہم سے اس تکلیف کو دور کر دے اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ ۝ کہ ہم آنے والے وقت میں ہدایت پا جائیں گے فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ہم سے تکلیف کو رفع کر دیا اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ۝ یعنی وہ عہد جو انہوں نے اس بارے میں کیا تھا اس کو انہوں نے توڑ دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کا قول اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ ۝ انہوں نے اپنے بارے میں ایمان کی خبر دی جب ان سے عذاب دور ہو گیا تو وہ مرتد ہو گئے۔

وَ نَادٰى فِرْعَوْنُ فِيْ قَوْمِهٖ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب فرعون نے ان معجزات کو دیکھا تو اسے خوف ہوا کہ قوم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف مائل ہو جائے گی تو اس نے کہا: نَادٰى، قال کے معنی میں ہے (1)؛ یہ ابو مالک کا نقطہ نظر ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس کے پاس قبطیوں کے سردار لوگ ہوں تو ان کے درمیان آواز کو بلند کیا پھر وہ تمام قبطیوں میں اس بات کو عام کر دیں گویا اس طریقہ سے ان میں ندا کی گئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس نے کسی کو حکم دیا کہ وہ اپنی قوم میں ندا کرے، یہ ابن جریج کا نقطہ نظر ہے۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ یعنی اس بارے میں مجھ سے کوئی جھگڑا نہ کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ وہ مصر کے چالیس فرسخ کا ملک تھا، یہ نقاش نے بیان کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہاں ملک سے مراد اسکندریہ ہے وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ یعنی نیل کی نہریں۔ ان کی چار بڑی نہریں تھیں نہر ملک، نہر طولان، نہر دمیاط اور نہر تنیس۔ قتادہ نے کہا: وہاں باغات اور نہریں تھیں جو اس کے محل کے نیچے سے بہتی تھیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کے تخت کے نیچے سے بہتی تھیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مِنْ تَحْتِيْ سے مراد ہے میرا تصرف ان میں نافذ ہے ان میں کسی کا کوئی عمل دخل نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب وہ اس کی لگام کھینچتا تو نیل چلنے سے رک جاتا۔ قشیری نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ ربوبیت کے مدعی کے ہاتھ پر خارق للعادۃ امور کا ظہور مراد ہے کیونکہ الہ کو غیر سے تمیز کے لیے خارق للعادۃ امر کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ سے مراد قائدین، رؤساء اور جابرہ ہیں جو اس کے جھنڈے کے نیچے چلا کرتے تھے: یہ ضحاک کا قول ہے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہار سے مراد اموال ہیں ان کی کثرت اور ظہور کی

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 229   2۔ ایضاً

بنا پر انہیں انہار سے تعبیر کیا ہے تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِیْ میں انہیں ان افراد پر تقسیم کر دیتا ہوں جو میری اتباع کرتے ہیں کیونکہ ترغیب اور قدرت اموال میں ہوتی ہے انہار میں نہیں ہوتی۔

اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ کیا تم میری عظمت، قوت اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کمزوری کو نہیں دیکھتے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تم اپنے وسائل رزق پر میری قدرت اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عجز کو نہیں دیکھتے وَ هٰذِهِ میں واؤ اس میں جائز ہو کہ عاطفہ ہو اور الْاَنْهٰرُ کا عطف مُلْكُ مِصْرَ پر ہو اور تَجْرِیْ حال ہونے کی حیثیت سے محل نصب میں ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ واؤ حالیہ ہو اور اسم اشارہ ہو اور الْاَنْهٰرُ اسم اشارہ کی صفت ہو اور تَجْرِیْ مبتدا کی خبر ہو تَحْتِیْ کی یاء کو اہل مدینہ، بزی اور ابو عمرو نے فتحہ دیا ہے باقی قراء نے اسے ساکن قرار دیا ہے۔ رشید سے مروی ہے جب اس نے اس آیت کی تلاوت کی تو کہا: میں یہ اپنے غلاموں میں سے سب سے خوبصورت کو دوں گا تو اس نے وہ خصیب کو دے دیا وہ اسے وضو کرایا کرتا تھا، عبد اللہ بن طاہر سے مروی ہے کہ وہ اس کا والی بنا اور اس کی طرف نکلا جب اس نے اس شہر کو دیکھا اور اس پر اس کی نظر پڑی کہا: کیا یہ وہ بستی ہے جس پر فرعون نے فخر کیا تھا یہاں تک کہ اس نے کہا تھا اَلَیْسَ لِیْ مُلْكُ مِصْرَ اللہ کی قسم! یہ تو اس سے کم درجہ کا ہے کہ میں اس میں داخل ہوں تو اس نے اپنی لگام موڑ لی۔

پھر اس کی حالت کی وضاحت کی اور کہا: اَمْ اَنَا خَیْرٌ ابو عبیدہ اور سدی نے کہا: ام یہاں بل کے معنی میں ہے (2)۔ یہ حرف عطف نہیں، اکثر مفسرین کا یہی قول ہے معنی ہے فرعون نے اپنی قوم سے کہا: بلکہ میں اس سے بہتر ہوں مِّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ مَهِیْنٌ یعنی اس کے لیے کوئی عزت نہیں وہ اپنی حقارت اور ضعف کے باعث اپنی حاجات کے لیے اپنے آپ کو آزمائش میں ڈالتا رہتا ہے۔

وَّلَا یَكَادُ یُبِیْنُ ۝ یہ بات اس نے اس لیے کی کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں لکنت تھی جس طرح سورۂ طہٰ میں گذر چکا ہے۔ فراء نے کہا: ام میں دو وجوہ ہیں: اگر چاہے تو اسے استفہامیہ بنا دے کیونکہ یہ ماقبل کلام کے ساتھ متصل ہے اگر چاہے تو اسے عاطفہ بنا دے معطوف علیہ یہ کلام ہے اَلَیْسَ لِیْ مُلْكُ مِصْرَ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ زائدہ ہے ابوزید نے عربوں سے روایت نقل کی ہے کہ وہ ام کو زائدہ قرار دیتے ہیں معنی ہوگا میں اس سے بہتر ہوں جو حقیر ذلیل ہے۔ اخفش نے کہا: کلام میں حذف ہے معنی ہوگا افلا تبصرون ام تبصرون۔

جس طرح شاعر نے کہا:

أيا ظبيةَ الوعساء بين جُلاجِلٍ وبين النقا آأنتِ أمْ أمُّ سالِمِ

مراد ہے کی تو اچھا ہے یا ام سالم اچھی ہے۔

پھر نئے سرے سے کلام کو شروع کیا فرمایا: اَنَا خَیْرٌ خلیل اور سیبویہ نے کہا: اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ کا معنی ہے کیا تم دیکھنے والے ہو تو ام کے ساتھ تُبْصِرُوْنَ پر عطف کیا کیونکہ اَمْ اَنَا خَیْرٌ کا معنی ہے یا تم دیکھتے ہو کہ میں اس سے بہتر ہوں، اس کی

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 230 2۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 258

وجہ یہ ہے جب انہوں نے اسے کہا: انت خیر منه فرعون کے نزدیک وہ دیکھنے والے اور بصیرت والے تھے۔
عیسیٰ ثقفی اور یعقوب حضرمی سے مروی ہے کہ وہ امر پر وقف کرتے تو اس بنا پر تقدیر کلام یہ ہوگی افلا تبصرون ام تبصرون تو دوسرا تبصرون حذف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس نے امر پر وقف کیا اس نے اسے زائدہ بنایا گویا اس نے اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ پر وقف کیا۔ خلیل اور سیبویہ کے نزدیک تبصرون پر کلام مکمل نہیں ہوتی کیونکہ ام ماقبل سے اتصال کا تقاضا کرتا ہے۔ ایک قوم کا نقطہ نظر ہے اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ پر وقف ہے پھر اَمۡ اَنَا خَیۡرٌ سے نیا کلام ہے اس کا معنی ہے بل انا بلکہ میں اس سے بہتر ہوں۔ فراء نے یہ شعر پڑھا:

بدت مثل قَرْنِ الشمس فی رَوْنَقِ الضحی صورتها أم أنتِ فی العین أَمْلَحُ(1)

اس میں بھی معنی ہے بل انت املح فراء نے ذکر کیا: ایک قاری نے پڑھا اما انا خیر اس کا معنی ہوگا کیا میں بہتر نہیں۔
مجاہد کے بارے میں مروی ہے وہ ام پر وقف کرتے پھر نئے سرے سے پڑھتے اَنَا خَیۡرٌ اس کا ذکر ہو چکا ہے۔

فَلَوۡلَاۤ اُلۡقِیَ عَلَیۡهِ اَسۡوِرَةٌ مِّنۡ ذَهَبٍ اَوۡ جَآءَ مَعَهُ الۡمَلٰٓئِکَةُ مُقۡتَرِنِیۡنَ ﴿۵۳﴾

''اگر یہ سچا نبی ہے تو کیوں نہ اتارے گئے اس پر سونے کے کنگن یا کیوں نہ آئے اس کے ساتھ فرشتے قطار در قطار''۔

فَلَوۡلَاۤ یہ هلا کے معنی میں ہے اُلۡقِیَ عَلَیۡهِ اَسۡوِرَةٌ مِّنۡ ذَهَبٍ اس نے یہ بات اس لیے کی تھی کیونکہ اس وقت یہی معمول تھا اور معززین کا لباس تھا۔ حفص نے اسے اسورة پڑھا ہے جو سوار کی جمع ہے جس طرح خمار کی جمع اخمرة آتی ہے باقی قراء نے اساورة پڑھا ہے جو اسورة کی جمع ہے حضرت ابن مسعود نے اسے اساویر پڑھا ہے باقی قراء نے اساورة پڑھا ہے جو اسورة کی جمع ہے یہ جمع کی جمع ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اساورة، اسوار کی جمع ہو جمع میں هاء، یاء کے عوض میں لاحق کی گئی ہے؛ جس طرح زنادیق، زنادقه، بطاریق بطارقه کی جمع ہے۔ ابو عمرو نے کہا: اساورة، اساور اور اساویر کی واحد اسوار ہے یہ سوار میں ایک لغت ہے۔ مجاہد نے کہا: جب وہ کسی کو سردار بناتے تو اسے دو کنگن پہناتے اور گلے میں سونے کا ایک طوق ڈالتے۔ یہ اس کے سردار ہونے کی علامت ہوتی فرعون نے کہا: اگر یہ سچا ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے رب نے اس پر سونے کے کنگن کیوں نہیں پھینکے؟

اَوۡ جَآءَ مَعَهُ الۡمَلٰٓئِکَةُ مُقۡتَرِنِیۡنَ ﴿۵۳﴾ یعنی پے در پے؛ یہ قتادہ کا قول ہے(2)۔ مجاہد نے کہا: وہ اکٹھے چلتے ہیں(3)؛ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جو ان کی مخالفت کرتا اس کے خلاف انکی مدد کرتے معنی ہے اس کے ساتھ ملائکہ کیوں نہ ملائے گئے جن کے بارے میں وہ گمان کرتا ہے کہ وہ اس کے رب کے پاس ہوتے ہیں تا کہ ان کے ساتھ مل کر وہ تعداد میں زیادہ ہو جاتا اور اپنے امر و نہی میں انہیں کام میں لاتا یہ امر دلوں میں زیادہ ہیبت کا باعث ہوتا اس نے اپنی قوم کو وہم دلایا کہ اللہ کے رسل کے بارے میں مناسب یہی ہے کہ وہ جنگوں میں بادشاہوں کے رسول کی طرح ہوں اسے علم نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ کے

1۔ التفسیر الکبیر، جلد 8، صفحہ 22 2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 231 3۔ ایضاً

رسولوں کی آسمانی لشکروں سے مدد کی جاتی ہے ہر دانشمند آدمی جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حفاظت کی جب کہ وہ یکہ وتنہا تھے اور فرعون کے پاس لشکروں کی تعداد بے شمار تھی اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جو مدد عصا اور ید بیضاء کے ساتھ کی ہے وہ اس سے زیادہ مؤثر تھی اس کی بنسبت کہ ان کے کنگن ہوتے یا ان کے مددگار فرشتے ہوتے؛ یہ مقاتل کا قول ہے۔ یہ ان کی سچائی پر دلیل ہوگی، یہ کلبی کا قول ہے یہ لازم نہیں آتا کیونکہ معجزہ کافی ہوتا ہے یہ جائز تھا کہ فرشتوں کے آنے کے ساتھ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی جاتی جس طرح معجزات کے ظہور کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی جاتی فرعون نے ملائکہ کا ذکر اس لیے کیا تھا کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کا ذکر کرتے تھے کیونکہ جو آدمی فرشتوں کے خالق کو نہیں پہچانتا وہ ملائکہ پر بھی ایمان نہیں رکھتا۔

فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ۝۵۴

''یوں اس نے احمق بنا دیا اپنی قوم کو سو وہ اس کی پیروی کرنے لگے درحقیقت یہ نافرمان لوگ تھے''۔

فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ ابن اعرابی نے کہا: معنی ہے اس نے اپنی قوم کو جاہل جانا فَاَطَاعُوْهُ تو انہوں نے اپنی کم عقل کی وجہ سے اس کی اطاعت کی یہ جملہ کہا جاتا ہے: استخفه یعنی اسے جہالت پر برانگیختہ کیا اسی معنی میں ہے ولا یستخفنك الذین لایوقنون ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس نے انہیں گفتگو کے ساتھ دھوکا دیا تو قوم نے جھٹلانے میں اس کی اطاعت کی (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: استخف قومه۔ یعنی اس نے انہیں کم عقل پایا۔ یہ امر اس چیز پر دلالت نہیں کرتا کہ ان پر اطاعت کرنا واجب تھا تو اس صورت میں اضمار کی ضرورت ہوگی اس کی تقدیر کلام یہ ہے دجدهم خفاف العقول فدعاهم الی الغوایة فاطاعوه۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس نے اپنی قوم کو دھوکا دیا اور ان پر جبر کیا یہاں تک کہ انہوں نے اس کی اتباع کی یہ کہا جاتا ہے: استخفه یہ استقله کے برعکس ہے۔ استخف به اس کو ذلیل کیا۔

اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ۝۵۴ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے خارج تھے۔

فَلَمَّاۤ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِیْنَ ۝۵۵

''پس جب انہوں نے ہمیں ناراض کر دیا تو ہم نے ان سے انتقام لیا پھر ہم نے ان سب کو غرق کر دیا''۔

فَلَمَّاۤ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: وہ ہم پر غصے ہوا اور ہم پر غضبناک ہوا (2)۔ علی بن ابی طلحہ نے ان سے روایت نقل کی ہے کہ وہ ہم سے ناراض ہو گیا۔ ماوردی نے کہا: دونوں کا معنی مختلف ہے دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ سخط سے مراد ناپسندیدگی کا اظہار ہے اور غضب سے مراد انتقام کا ارادہ ہے قشیری نے کہا: یہاں اسف سے مراد غضب ہے جب اللہ تعالیٰ کی طرف غضب کی نسبت کی جاتی ہے یا تو اس سے مراد سزا دینا ہوتا ہے تو اس صورت میں یہ صفات ذات میں سے ایک صفت ہوگی یا عین سزا ہوگی تو اس صورت میں یہ صفات فعل میں سے ہوگی؛

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 231

2۔ ایضاً

ماوردی کے قول کا یہی معنی ہے۔ عمر بن ذر نے کہا: اے اللہ کی نافرمانی کرنے والو! اللہ تعالیٰ جو تم سے طویل وقت تک حلم کیے ہوئے ہے اس سے دھوکہ میں مبتلا نہ ہو اس کی پکڑ سے ڈرو، کیونکہ اس نے ارشاد فرمایا: فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ایک قول یہ کیا گیا ہے اٰسَفُوْنَا وہ ہمارے رسولوں اور ہمارے مومن اولیاء پر غضبناک ہوئے جس طرح علماء اور بنی اسرائیل یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ (احزاب: 57) یحاربون اللہ مراد اللہ تعالیٰ کے اولیاء اور اس کے رسول ہیں۔

فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّ مَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ﴿۵۶﴾

''اور بنا دیا انہیں پیش رو اور کہاوت پچھلوں کے لیے''۔

فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا ہم نے قوم فرعون کو پیش رو بنایا۔ ابومجلز نے کہا: یعنی جوان جیسا عمل کرے ان کا پیش رو بنا دیا اور جوان جیسا عمل کرے اس کے لیے نمونہ بنا دیا (1)۔ مجاہد نے کہا: سَلَفًا یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو خبر دینے والا اور مَثَلًا یعنی امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عبرت بنا دیا (2)۔ ان سے یہ بھی قول مروی ہے آپ کی قوم کے کفار کے لیے قیادت کرنے والا بنا دیا وہ جہنم کی طرف ان کے آگے آگے چل رہے ہوں گے۔ قتادہ نے کہا: جہنم کی طرف آگے جانے والا اور بعد میں آنے والوں کے لیے نصیحت۔ سلف کا معنی آگے جانے والا ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: سَلَف یسلُف سَلَفا، جس طرح طلب یطلب طلبا ہے جس کا معنی آگے جانا اور گذرنا۔ سلف له عمل صالح یعنی آگے چلا گیا القوم السلاف۔ آگے جانے والے لوگ۔ سلف الرجل۔ آگے جانے والے آباء اس کی جمع اسلاف اور سلاف ہے عام قراءت سَلَفا ہے یہ سالف کی جمع ہے جس طرح خادم کی جمع خدم ہے، راصد کی رصد ہے، حارس کی جمع حرس ہے۔

حمزہ اور کسائی کی قراءت سُلُفًا فراء نے کہا یہ سلیف کی جمع ہے جس طرح سریر کی جمع سرر آتی ہے۔ ابو حاتم نے کہا: یہ سلف کی جمع ہے جس طرح خشب کی جمع خُشُب۔ ثمر کی جمع ثُمُر آتی ہے دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔ حضرت علی شیر خدا، حضرت ابن مسعود، حضرت علقمہ، حضرت ابووائل، نخعی اور حمید بن قیس نے اسے سلفا پڑھا ہے یہ اسلفة کی جمع ہے یعنی گذر جانے والی جماعت۔ مورج اور نضر بن شمیل نے کہا: سُلفا یہ سُلفة کی جمع ہے جس طرح غرفتہ کی جمع غرف اور طرفہ کی جمع طرف ظلمتہ کی جمع ظلم آتی ہے۔

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ ﴿۵۷﴾

''اور جب بیان کیا جاتا ہے مریم کے فرزند (عیسیٰ) کا حال تو آپ کی قوم اس سے شور و غل مچا دیتی ہے''۔

جب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ﴿۴۵﴾ تو مشرکوں نے اسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے امر کے ساتھ جوڑا اور کہا: (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کسی چیز کا ارادہ نہیں کرتے مگر یہ کہ ہم اسے اپنا الہ بنالیں جس طرح نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ بن مریم کو الہ بنالیا۔ یہ قتادہ کا قول ہے اسی کی مثل مجاہد کا قول ہے قریش نے کہا: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو یہ ارادہ کرتے ہیں کہ ہم ان کی عبادت کریں جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 232 2۔ ایضاً

کی قوم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کی تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد وہ مناظرہ ہے جو عبداللہ بن زبعری نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کیا تھا یہ مثال دینے والا عبداللہ بن زبعری تھا جو اس نے حالت کفر میں مثال دی تھی جب قریش نے اس سے کہا: بے شک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ تلاوت کرتے ہیں اِنَّكُمْ وَ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ (الانبیاء: 98) اس نے کہا: اگر میں ان کے پاس حاضر ہوتا تو میں جواب دیتا۔ انہوں نے اس سے پوچھا: تو انہیں کیا کہتا؟ اس نے کہا: میں انہیں کہتا: یہ حضرت مسیح علیہ السلام ہیں جن کی نصاریٰ عبادت کرتے ہیں اور یہ یہودی ہیں جو حضرت عزیر علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں کیا وہ دونوں جہنم کا ایندھن ہیں؟ قریش اس کی گفتگو سے بہت خوش ہوئے اور انہوں نے خیال کیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سامنے لاجواب ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ کے فرمان: یَصِدُّوْنَ کا بھی یہی معنی ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى ۙ اُولٰٓىِٕكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ۝ (انبیاء) اگر ابن زبعری آیت پر غور کرتا تو اس پر اعتراض نہ کرتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَ مَا تَعْبُدُوْنَ یہ ارشاد نہیں فرمایا و من تعبدون اللہ تعالیٰ نے اس سے مراد بت اور غیر ذوی العقول چیزیں لی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے حضرت مسیح اور فرشتے مراد نہیں لیے اگرچہ ان کی عبادت کی جاتی ہے۔ سورۂ انبیاء کے آخر میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش سے فرمایا: ”اے قریش کی جماعت! اس میں کوئی بھلائی نہیں جس کی اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کی جاتی ہو؟“ انہوں نے سوال کیا: کیا تو یہ گمان نہیں کرتا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بندے اور نبی تھے اور عبد صالح تھے اگر بات اس طرح ہے جس طرح تم گمان کرتے ہو تو ان کی بھی اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: وَ لَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ ۝ وہ یوں آواز نکالتے ہیں جس طرح وہ اونٹ آواز نکالتا ہے جس پر بوجھ لادا جائے۔

نافع، ابن عامر اور کسائی نے یَصُدُّون صاد کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے جس کا معنی اعرض کرنا ہے، یہ نخعی کا قول ہے باقی قراء نے اسے کسرہ دیا ہے۔ کسائی نے کہا: یہ دونوں لغتیں ہیں جس طرح یَعْرِشون اور یَعرُشون۔ یَنِموں، ینموں۔ اس کا معنی شور و غل ہے۔ جوہری نے کہا: صدّ اور یَصِدّ صدیدا، شور و غل کرنا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ضمہ کے ساتھ صدود سے مشتق ہے جس کا معنی اعراض کرنا ہے اور کسرہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی شور و غل کرنا ہے؛ یہ قطرب کا قول ہے۔ ابوعبید نے کہا: اگر یہ حق سے اعراض کرنے کے معنی میں ہو تو مطلب ہوگا آپ کی قوم حق سے اعراض کرتی ہے۔ فراء نے کہا: دونوں برابر ہیں صلہ من ہو یا عن ہو۔ ابن مسیب نے کہا: یصدون کا معنی شور و غل کرنا ہے۔ ضحاک نے کہا: وہ آوازیں بلند کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ ہنستے ہیں۔ ابوعبیدہ نے کہا: جس نے صاد کو ضمہ دیا ہے تو اس کا معنی ہوگا وہ اعراض کرتے ہیں تو معنی ہوگا وہ میلان کی وجہ سے اعراض کرتے ہیں یصدون کو من کے ساتھ متعدی نہیں کرتے جس نے صاد کو کسرہ دیا تو اس کا معنی ہے وہ شور و غل کرتے ہیں من، یصدون کے ساتھ متصل ہے معنی ہے وہ اسے سن کر شور و غل کرتے ہیں۔

وَ قَالُوْٓا ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ ۭ مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ۭ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ﴿۵۸﴾

''اور کہتے ہیں: کیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ، وہ نہیں بیان کرتے یہ مثال آپ سے مگر کج بحثی کے لیے درحقیقت یہ لوگ بڑے جھگڑالو ہیں''۔

وَ قَالُوْٓا ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ یعنی کیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا حضرت عیسیٰ؟ یہ سدی کا قول ہے کہا: انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جھگڑا کیا اور کہا: اگر اللہ تعالیٰ کے علاوہ جس کی بھی عبادت کی جاتی ہے وہ جہنم میں ہوگا تو ہم اس بات پر راضی ہیں کہ ہمارے معبود حضرت عیسیٰ علیہ السلام، فرشتوں اور حضرت عزیر علیہ السلام کے ساتھ ہوں (1) تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل کیا اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ (انبیاء) قتادہ نے کہا: وہ اَمْ هُوَ سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد لیا کرتے تھے (2)۔ حضرت ابن مسعود کی قراءت میں ہے آلهتنا خير ام هذا یہ قتادہ کے قول کی تائید کرتا ہے یہ استفہام تقریری ہے کہ ان کے معبود بہتر ہیں۔ کوفیوں اور یعقوب نے جدلا پڑھا ہے یہ حال ہے جدلین کا معنی دے رہا ہے یعنی انہوں نے آپ کے لیے یہ مثال بیان نہیں کی مگر جھگڑا مقصود تھا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ حَصَبُ جَهَنَّمَ (الانبیاء:98) سے مراد وہ چیزیں ہیں جن بے جان چیزوں کو انہوں نے معبود بنالیا تھا۔

بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ﴿۵۸﴾ بلکہ وہ باطل کے ساتھ جھگڑا کرنے والے ہیں۔ صحیح ترمذی میں حضرت ابوامامہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کوئی قوم ہدایت کے بعد گمراہ نہیں ہوئی مگر انہوں نے جھگڑا کیا (3)'' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ۔

اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَ جَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۵۹﴾ وَ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِي الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ ﴿۶۰﴾

''نہیں ہے عیسیٰ مگر ایک بندہ ہم نے انعام فرمایا ہے ان پر اور ہم نے بنا دیا ہے انہیں ایک نمونہ بنی اسرائیل کے لیے۔ اور اگر ہم چاہتے تو ہم بنا دیتے تمہارے بدلے فرشتے زمین میں جو تمہارے جانشین ہوتے''۔

اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف ایک بندہ ہیں اللہ تعالیٰ نے جس پر نبوت کا انعام کیا ہے اور بنی اسرائیل کے لیے مثال بنا دیا ہے یعنی ایک آیت اور عبرت بنا دیا ہے جس کی مدد سے اللہ تعالیٰ کی قدرت پر استدلال کیا جاتا ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی باپ نہ تھا پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ معجزات عطا کیے وہ مردوں کو زندہ کرتے، مادرزاد اندھوں، برص کے مریضوں اور تمام قسم کی امراض سے تندرست کر دیتے جبکہ ان کے زمانہ میں اس قسم کی شان کسی اور کو نہ دی گئی جبکہ اس زمانہ میں بنی اسرائیل بہترین مخلوق اور اللہ تعالیٰ کے سب سے محبوب بندے تھے جبکہ لوگ ان سے درجہ میں کم تھے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کوئی بھی ان کا ہم پلہ نہ تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: منعم علیہ سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 61
2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 234
3۔ جامع ترمذی، ابواب التفسیر، من سورۃ زخرف، جلد 2، صفحہ 157

ذات ہے جبکہ پہلا قول زیادہ نمایاں ہے۔

وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ اگر ہم چاہتے تو تمہارے بدلے بناتے **مَّلٰٓئِكَةً** جو تمہارے خلیفہ ہوتے؛ یہ سدی کا قول ہے اسی کی مثل مجاہد سے مروی ہے کہا: فرشتے جو تمہاری بجائے زمین کو آباد کرتے (1)۔ ازہری نے کہا: مِنْ بعض اوقات بدل کے لیے آتا ہے اس کی دلیل یہ آیت ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ معنی سورۂ براءت اور دوسری سورتوں میں بھی گذر چکا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر ہم چاہتے تو انسانوں میں سے فرشتے بنا دیتے اگرچہ یہ عادت نہیں ہے، جواہر سب ایک ہی جنس ہیں، اختلاف اوصاف کی بنا پر ہے معنی ہے اگر ہم چاہتے تو ہم زمین میں فرشتے بنا دیتے انہیں آسمانوں میں ٹھہرانا یہ ان کا شرف نہیں کہ ان کی عبادت کی جانے لگے اور انہیں کہا جانے لگے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں **يَخْلُفُوْنَ** کا معنی ہے وہ ایک دوسرے کی نیابت کرتے (2)؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

وَ اِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَ اتَّبِعُوْنِ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۱﴾ وَ لَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۶۲﴾

"اور بے شک وہ ایک نشانی ہیں قیامت کے لیے پس ہرگز شک نہ کرو اس میں اور میری پیروی کرو، یہ سیدھا راستہ ہے۔ کہیں روک نہ دے تمہیں شیطان اس راہ سے بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے"۔

وَ اِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا حضرت حسن بصری، قتادہ اور سعید بن جبیر نے کہا: اس سے مراد قرآن ہے کیونکہ یہ قیامت کے قریب ہونے پر دلالت ہے یا اس کے ذریعے قیامت، اس کی ہولناکیوں اور احوال کا علم حاصل کیا جا سکتا ہے(3)۔ حضرت ابن عباس، مجاہد، ضحاک، سدی اور قتادہ نے یہی کہا ہے اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ظاہر ہونا ہے یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ قیامت کے وقوع سے تھوڑا پہلے انہیں آسمان سے نازل فرمائے گا جس طرح دجال کا ظاہر ہونا قیامت کی نشانیوں میں سے ایک ہے۔ حضرت ابن عباس، حضرت ابو ہریرہ، قتادہ، مالک بن دینار اور ضحاک نے اسے وانہ لعلم الساعۃ عین اور لام کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے جس کا معنی نشانی ہے۔ عکرمہ سے دو لاموں کے ساتھ للعلم مروی ہے۔ یہ مصاحف کے خلاف ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: جس رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کرائی گئی تو آپ حضرت ابراہیم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملے تو سب نے قیامت کا ذکر کیا انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے گفتگو کو شروع کیا اور انہوں نے حضرت ابراہیم سے پوچھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس اس بارے میں کوئی علم نہ تھا پھر انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا تو ان کے پاس بھی کوئی علم نہ تھا تو گفتگو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹائی گئی تو انہوں نے کہا: مجھ سے وعدہ کیا گیا ہے کہ وہ وجبہ کے بعد ہے جہاں تک وجبہ کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا اسے کوئی نہیں جانتا اور دجال کے ظاہر ہونے کا ذکر کیا کہا: میں اتروں گا اور اسے قتل

1۔ تفسیر مجاہد، صفحہ 249 2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 61 3۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 234

کردوں گا اور حدیث کا ذکر کیا (1)۔ اسے ابن ماجہ نے اپنی سنن میں نقل کیا ہے۔

صحیح مسلم میں ہے: اسی اثنا میں اللہ تعالیٰ حضرت مسیح بن مریم کو مبعوث کرے گا دمشق کے مشرق میں سفید منارہ کے پاس اتریں گے وہ حلہ زیب تن کیے ہونگے اپنے ہاتھ دو فرشتوں کے سروں پر رکھے ہونگے جب اپنا سر نیچے جھکائیں گے تو اس سے پانی کے قطرے گریں گے اور جب سر اوپر اٹھائیں گے تو اس سے موتی گریں گے جو لولو کی طرح ہونگے کافر کے لیے حلال نہیں ہوگا کہ وہ آپ کے سانس کی ہوا پائے مگر جو پائے ہوگا وہ مرجائے گا اس کی سانس وہاں تک پہنچے گی جہاں تک نظر پہنچے گی آپ دجال کو تلاش کریں گے یہاں تک کہ آپ اسے لُدّ کے دروازے پر پائیں گے اور اسے قتل کردیں گے (2)۔

ثعلبی، زمخشری اور دوسرے مفسرین نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''حضرت عیسیٰ علیہ السلام ارض مقدس کے ایک ٹیلہ پر آسمان سے اتریں گے جس ٹیلہ کو افیق کہتے ہیں دو کپڑے زیب تن کیے ہونگے جو ہلکے سے زرد ہونگے ان کے سر کے بالوں کو تیل لگا ہوگا، ان کے ہاتھ میں ایک چھوٹا نیزہ ہوگا امام ان کی امامت کروا رہا ہوگا امام پیچھے ہٹے گا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسے آگے کریں گے اور اسی امام کے پیچھے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے مطابق نماز پڑھیں گے پھر آپ خنزیروں کو قتل کریں گے، صلیب کو توڑ دیں گے، کنیسوں اور گرجوں کو برباد کردیں گے، نصاریٰ کو قتل کریں گے مگر جو ایمان لے آیا'' (3)۔

خالد نے حضرت حسن بصری سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''انبیاء علاتی بھائی ہیں ان کی مائیں (شریعتیں) مختلف ہیں اور ان کا دین ایک ہے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا سب سے قریبی ہوں اس کے اور میرے درمیان کوئی نبی نہیں وہ سب سے پہلے آسمان سے اتریں گے، وہ صلیب کو توڑیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے اور اسلام کے حق میں لوگوں سے جنگ کریں گے'' (4)۔

ماوردی نے کہا: ابن عیسیٰ نے ایک قوم سے یہ بیان کیا انہوں نے کہا: جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے تو لوگوں کو مکلف بنانے کا معاملہ اٹھا لیا جائیگا تاکہ وہ اس زمانہ کی طرف رسول نہ ہوں جو لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے حکم دیں اور انہیں روکیں۔ یہ قول تین وجوہ سے مردود ہے: ان میں سے ایک حدیث بھی ہے، دوسری وجہ یہ ہے دنیا کی بقا امور کا مکلف ہونے کا تقاضا کرتی ہے، تیسری وجہ یہ ہے کہ معروف کا حکم دینے والے اور منکر سے روکنے والے کی حیثیت میں اتریں گے یہ کوئی عجیب بات نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ان کے لیے امر صرف اسلام کی تائید اسلام کا حکم دینے اور اس کی طرف دعوت دینے تک محدود ہو۔

میں کہتا ہوں: صحیح مسلم اور ابن ماجہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''حضرت عیسیٰ بن مریم عادل حاکم کی حیثیت سے اتریں گے وہ صلیب کو توڑیں گے خنزیر کو قتل کریں گے اونٹنیوں کو چھوڑ دیا جائیگا اس پر تیز رفتاری سے سفر نہیں کیا جائیگا دشمنی، باہمی بغض اور حسد ختم ہوجائے گا ایک آدمی مال لینے کو دعوت دے گا

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، فتنۃ الدجال و خروج عیسیٰ بن مریم، صفحہ 309

2۔ صحیح مسلم، کتاب الفتن، ذکر الدجال، جلد 2، صفحہ 399　　3۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 235　　4۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 235

تو اسے کوئی قبول نہیں کرے گا(1)'' ان سے یہ روایت بھی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تمہارا کیا حال ہوگا جب حضرت ابن مریم اتریں گے اور تمہارا امام تم سے ہوگا'' ایک روایت میں ہے ''تمہاری امامت تم میں سے ایک آدمی کرے گا(2)'' ابن ابی ذئب نے کہا: تو جانتا ہے امکم منکم سے کیا مراد ہے؟ میں نے کہا: تو مجھے بتائے گا۔ کہا: ''وہ تمہاری امامت تمہارے رب کی کتاب اور تمہارے نبی کی سنت کے مطابق کرائے گا'' ہمارے علماء نے کہا: یہ روایت اس امر میں نص ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے دین کے مجدد کے طور پر اتریں گے جو دین انہوں نے نبی کریم ﷺ سے سیکھا ہوگا وہ کسی نئی شرع کے ساتھ نہیں اتریں گے جبکہ احکام کے مکلف ہونے کا سلسلہ باقی ہوگا جس طرح ہم نے یہاں اور کتاب ''التذکرہ'' میں ذکر کر دیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَ اِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مردوں کو زندہ کرنا قیامت اور مردوں کو دوبارہ اٹھانے پر دلیل ہے؛ یہ ابن اسحاق نے کہا۔

میں کہتا ہوں: یہ احتمال موجود ہے کہ معنی ہو کہ حضرت محمد ﷺ قیامت کی نشانی ہوں اس کی دلیل حضور ﷺ کا ارشاد ہے: ''میں اور قیامت یوں مبعوث کیے گئے ہیں(3)'' اور آپ نے انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کو ملایا اسے امام بخاری اور امام مسلم نے نقل کیا ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: قیامت کی نشانیوں میں سے پہلی نشانی حضرت محمد ﷺ ہیں(4)۔

فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا تم قیامت میں شک نہ کرو؛ یہ یحییٰ بن سلام کا قول ہے۔ سدی نے کہا: تم اس کو نہ جھٹلاؤ اور تم اس میں جھگڑا نہ کرو کیونکہ یہ لازماً ہو کر رہنے والی ہے(5) وَ اتَّبِعُوْنِ تم توحید کے عقیدہ میں میری اتباع کرو اور جو میں تمہیں تبلیغ کرتا ہوں اس میں میری اتباع کرو۔

هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۱﴾ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب جانے والا سیدھا راستہ ہے یعنی اس کی جنت کی طرف جانے والا سیدھا راستہ ہے۔ یعقوب نے وَ اتَّبِعُوْنِ میں دونوں حالتوں میں یاء کو قائم رکھا ہے اسی طرح اطیعون میں قائم رکھا ہے۔ ابو عمرو اور اسماعیل نے نافع سے یہ قول نقل کیا ہے کہ وصل میں قائم رکھا اور وقف میں حذف کر دیا باقی قراء نے دونوں حالتوں میں حذف کیا ہے۔

وَ لَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ اس کے وساوس سے دھوکہ نہ کھاؤ۔ جھگڑا کرنے والے کفار کو شیطان سے تشبیہ دی گئی کیونکہ انبیاء کی شریعتیں توحید میں مختلف نہیں اور قیامت کے بارے میں انہوں نے جو خبریں دی ہیں اسی طرح جنت یا دوزخ کے بارے میں انہوں نے جو خبریں دی ہیں اس میں وہ مختلف نہیں۔

اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۶۲﴾ سورۂ بقرہ اور دوسری سورتوں میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

وَ لَمَّا جَآءَ عِيْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَ لِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، نزول عیسیٰ بن مریم علیہ السلام، جلد 1، صفحہ 87۔ سنن ابن ماجہ، باب فتنة الدجال و خروج عیسیٰ بن مریم، حدیث 4067
2۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، نزول عیسیٰ بن مریم علیہ السلام، جلد 1، صفحہ 87	3۔ صحیح مسلم، کتاب الفتن، قرب الساعة، جلد 2، صفحہ 406
4۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 9	5۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 236

تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ۝ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝

”اور جب آئے (عیسیٰ علیہ السلام) روشن نشانیاں لے کر تو فرمایا: میں آیا ہوں تمہارے پاس حکمت لے کر اور میں بیان کروں گا تم سے کچھ وہ بات جس میں تم اختلاف کرتے ہو پس ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور میری فرمانبرداری کیا کرو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ وہی میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے پس اس کی عبادت کیا کرو یہی سیدھا راستہ ہے“۔

وَ لَمَّا جَآءَ عِيْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: بینات سے مراد مردوں کو زندہ کرنا، مریضوں کو صحت مند کرنا، پرندوں کو بنانا، دستر خوانوں کا نزول وغیرہ اور بہت سی غیب کی خبریں دینا۔ قتادہ نے کہا: یہاں بینات سے مراد انجیل ہے۔

قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ حکمت سے مراد نبوت ہے، یہ سدی کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مراد ایسا علم ہے جو نیکی کی طرف لے جائے اور برائی سے روک دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد انجیل ہے؛ یہ قشیری اور ماوردی نے ذکر کیا ہے۔

لِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ مجاہد نے کہا: مراد ہے جو تورات میں تبدیلی کی گئی (1)۔ زجاج نے کہا: میں انجیل میں بعض ایسی چیزیں تمہارے لیے بیان کروں گا تورات میں تبدیلی کے متعلق تم جن میں باہم اختلاف کرتے ہو۔ مجاہد نے کہا: جن چیزوں کے وہ محتاج ہیں انجیل کے علاوہ ان کے لیے واضح کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تورات کے احکام کے بارے میں انہوں نے جو اختلاف کیا جس قدر انہوں نے سوال کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کے لیے واضح کیا۔ یہ بھی جائز ہے انہوں نے اس کے علاوہ میں اختلاف کیا جس کے بارے میں انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال نہ کیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وصال کے بعد بنی اسرائیل نے دین کے امور میں کچھ چیزوں میں اختلاف کیا اور دنیاوی امور میں سے چند چیزوں کے بارے میں اختلاف کیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کے دینی امر کے بارے میں واضح کر دیا۔

ابو عبیدہ کا مذہب یہ ہے کہ یہاں بعض، کل کے معنی میں ہے اسی معنی میں ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: يُصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ (غافر: 28) اخفش نے لبید کا شعر پڑھا:

تراك أمكنة إذا لم أرضها　　أو تعتلق بعض النفوس حمامها (2)

موت بعض نفوس کے متعلق نہیں ہوتی موت کو علوق اور علاقہ کہتے ہیں۔ مفضل بکری نے کہا:

وسائلة بثَعْلَبَة بن سَيْر　　وقد عَلِقت بثعلبة العَلُوقُ

ثعلبہ بن سیر کو کتنے پوچھنے والے ہیں جبکہ موت ثعلبہ کے ساتھ متعلق ہے۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 236　　2۔ احکام القرآن للطبری، جز 26-25، صفحہ 109

مقاتل نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کی طرح ہے: وَ لِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِیْ حُرِّمَ عَلَیْكُمْ (آل عمران: 50) یعنی انجیل میں وہ چیزیں حلال کرنے والا ہوں جن کو تورات میں حرام کر دیا گیا تھا جس طرح اونٹ کا گوشت، ہر حیوان کی چربی، ہفتہ کے روز مچھلی کا شکار کرنا۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ شرک سے بچو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جب: یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے۔ تو یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ وہ الٰہ ہو یا ابن الٰہ ہو۔

وَ اَطِیْعُوْنِ یعنی توحید اور دوسرے امور کی طرف دعوت دیتا ہوں اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّیْ وَ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ۝ اللہ تعالیٰ کی عبادت صراط مستقیم ہے اس کے سوا ٹیڑھا راستہ ہے اس پر چلنے والا حق تک پہنچنے والا ہے۔

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَیْنِهِمْ ۚ فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْ عَذَابِ یَوْمٍ اَلِیْمٍ ۝۶۵ هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِیَهُمْ بَغْتَةً وَّ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ۝۶۶

''پھر اختلاف کرنے لگے (ان کے) گروہ آپس میں پس ہلاکت ہے ظالموں کے لیے دردناک عذاب کے دن سے۔ کیا یہ لوگ قیامت برپا ہونے کے منتظر ہیں کہ آ جائے ان پر اچانک اور انہیں خبر تک نہ ہو''۔

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَیْنِهِمْ قتادہ نے کہا: یہاں من، ما کے معنی میں ہے ان کے بارے میں دو قول ہیں (1) اس سے مراد یہود و نصاریٰ میں سے اہل کتاب ہیں انہوں نے ایک دوسرے کی مخالفت کی (1)؛ یہ مجاہد اور سدی کا قول ہے (2) نصاریٰ کی مختلف جماعتیں ہیں نسطوریہ، ملکیہ، یعاقبہ، انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اختلاف کیا نسطوریہ نے کہا: وہ ابن اللہ ہیں۔ یعاقبہ نے کہا: وہ اللہ ہے۔ ملکیہ نے کہا: وہ تین میں سے تیسرا ہے، ان میں سے ایک اللہ ہے؛ یہ کلبی اور مقاتل کا قول ہے۔ سورۂ مریم میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا انہوں نے کفر اور شرک کیا جس طرح سورۂ مریم میں ہے مِنْ عَذَابِ یَوْمٍ اَلِیْمٍ ۝۶۵ یعنی جس کا عذاب دردناک ہے اسی کی مثل لیل نائم ہے اس رات میں سویا جاتا ہے۔

هَلْ یَنْظُرُوْنَ واؤ ضمیر سے مراد احزاب ہیں یعنی وہ انتظار نہیں کرتے اِلَّا السَّاعَةَ سے مراد قیامت ہے اَنْ تَاْتِیَهُمْ بَغْتَةً، بغتۃ یعنی اچانک۔ وَّ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ۝۶۶ وہ کچھ نہیں سمجھتے۔ کئی اور مواقع پر یہ بحث گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے عرب کے مشرک صرف قیامت کا انتظار کر رہے ہیں اس تعبیر کی بنا پر احزاب سے مراد وہ قبائل ہیں جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اکٹھ کیا تھا اور مشرکین میں سے جنہوں نے آپ کو جھٹلایا یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا کے ساتھ متصل ہے۔

اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَىِٕذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ ۝۶۷

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 237

”گہرے دوست اس روز ایک دوسرے کے دشمن ہونگے بجز ان کے جو متقی اور پرہیز گار ہیں“۔

اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَىٕذٍۭ یوم سے مراد یوم قیامت ہے بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ یعنی وہ دشمن ہیں جو ایک دوسرے سے دشمنی کرتے ہیں اور ایک دوسرے پر لعنت کرتے ہیں اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ۠ کیونکہ وہی دنیا و آخرت میں دوست ہیں؛ یہ معنی حضرت ابن عباس، مجاہد اور دوسرے علماء نے بیان کیا ہے۔ نقاش نے حکایت بیان کی ہے کہ یہ آیت امیہ بن خلف جمحی، عقبہ بن ابی معیط کے بارے میں نازل ہوئی وہ دونوں دوست تھے (1) عقبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھا تھا قریش نے کہا: عقبہ بن ابی معیط صابی ہو گیا۔ امیہ نے اس سے کہا: اگر تو محمد سے ملا اور تو نے اس کے منہ پر نہ تھوکا تو میرا تجھ سے ملنا حرام ہوگا۔ عقبہ نے ایسا ہی کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل کی نذر مانی اور اسے غزوہ بدر کے موقع پر قتل کر دیا۔ امیہ معرکہ میں قتل ہو گیا انہیں کے متعلق آیت کریمہ نازل ہوئی۔ ثعلبی نے اس آیت کے بارے میں ذکر کیا ہے دو مومن دوست تھے اور دو کافر دوست تھے دو مومنوں میں سے ایک مر گیا اس نے عرض کی: اے میرے رب! فلاں آدمی مجھے تیری اور تیرے رسول کی اطاعت کا حکم دیتا تھا وہ مجھے بھلائی کا حکم دیتا اور برائی سے روکا کرتا تھا اور وہ مجھے خبر دیتا تھا کہ میں تجھ سے ملاقات کرنے والا ہوں، اے میرے رب! اسے میرے بعد گمراہ نہ کرنا اسے اس طرح ہدایت دینا جس طرح اس نے مجھے ہدایت دی، اسے عزت بخشنا جس طرح اس نے مجھے عزت بخشی۔ جب اس کا مومن دوست فوت ہوگا تو اللہ تعالیٰ دونوں کو جمع کرے گا اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم میں سے ہر ایک دوست اپنے ساتھی کی تعریف کرے گا ایک عرض کرے گا: اے میرے رب! یہ مجھے تیری اطاعت اور تیرے رسول کی اطاعت کا حکم دیتا تھا وہ مجھے بھلائی کو حکم دیتا اور مجھے برائی سے روکا کرتا تھا اور مجھے بتاتا تھا کہ میں تجھ سے ملاقات کرنے والا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: وہ کتنا اچھا دوست ہے کتنا اچھا بھائی اور کتنا اچھا ساتھی ہے۔ کہا: کافروں میں سے ایک مرے گا اور کہے گا: اے میرے رب! فلاں آدمی مجھے تیری اطاعت سے اور تیرے رسول کی اطاعت سے روکتا تھا وہ مجھے برائی کا حکم دیتا تھا اور مجھے نیکی سے روکتا تھا اور مجھے بتاتا تھا کہ میں تجھ سے ملاقات کرنے والا نہیں ہوں۔ اے میرے رب! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو اسے میرے بعد ہدایت نہ دینا۔ اور اسے اسی طرح گمراہ کرنا جس طرح تو نے مجھے گمراہ کیا ہے اور اسے ذلیل و رسوا کرنا جس طرح تو نے مجھے ذلیل و رسوا کیا ہے جب اس کا کافر دوست مرتا ہے اللہ تعالیٰ ان دونوں سے فرماتا ہے: تم دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کی تعریف کرے وہ عرض کرے گا: اے میرے رب! مجھے تیری نافرمانی اور تیرے رسول کی نافرمانی کا حکم دیتا تھا وہ مجھے برائی کا حکم دیتا تھا خیر سے منع کرتا تھا اور مجھے بتایا کرتا تھا کہ میں تجھ سے ملاقات کرنے والا نہیں ہوں میں تیری بارگاہ میں سوال کرتا ہوں کہ تو اس پر عذاب دوگنا کر دے اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: تو کتنا برا ساتھی، بھائی اور دوست ہوگا۔ ان دونوں میں سے ہر ایک ساتھی پر لعنت کرے گا۔

میں کہتا ہوں: یہ آیت ہر مومن، متقی، کافر اور گمراہ کے بارے میں عام ہے۔

یٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَیْكُمُ الْیَوْمَ وَ لَاۤ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۶۸﴾

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 238

"اے میرے (پیارے) بندو! آج تم پر کوئی خوف نہیں اور نہ تم آج غمزدہ ہو گے"۔

مقاتل نے کہا اور اسے معتمر بن سلیمان نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے: منادی کرنے والا کھلی جگہ اعلان کرے گا اے میرے بندو! تم پر آج کوئی خوف نہیں۔ کھلے میدان والے اپنے سروں کو اوپر اٹھائیں گے تو منادی کرنے والا کہے گا: اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ كَانُوْا مُسْلِمِیْنَ ﴿۶۹﴾ تو مسلمانوں کے علاوہ تمام ادیان والے اپنے سروں کو جھکا لیں گے۔ محاسبی نے رعایہ میں ذکر کیا ہے: اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن منادی کرنے والا ندا کرے گا: یٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَیْكُمُ الْیَوْمَ وَ لَاۤ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۶۸﴾ مخلوقات اپنے سروں کو اوپر اٹھائے گی وہ کہیں گے: ہم اللہ کے بندے ہیں (1)۔ پھر دوبارہ وہ ندا کرے گا اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ كَانُوْا مُسْلِمِیْنَ ﴿۶۹﴾ کفار اپنے سروں کو جھکا لیں گے اور موحد اپنے سروں کو اٹھائے رکھیں گے پھر وہ تیسری دفعہ اعلان کرے گا: اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا یَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾ (یونس) تو گناہ کبیرہ کرنے والے اپنا سر جھکائیں گے اور تقویٰ اختیار کرنے والے اپنے سر اٹھائے رکھیں گے جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان سے خوف اور حزن کو زائل کر دیا ہو گا جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ کیا ہو گا کیونکہ وہ معززین میں سے سب سے معزز ہے وہ اپنے ولی کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑتا اور ہلاکت کے وقت اسے کسی کے سپرد نہیں کرتا۔ اسے یٰعِبَادِ پڑھا گیا ہے۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ كَانُوْا مُسْلِمِیْنَ ﴿۶۹﴾ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ ﴿۷۰﴾

"یعنی وہ بندے جو ایمان لے آئے تھے ہماری آیتوں پر اور فرمانبردار تھے۔ (حکم ہوگا) داخل ہو جاؤ جنت میں تم اور تمہاری بیویاں خوش خوش"۔

زجاج نے کہا: اَلَّذِیْنَ۔ عبادی کی صفت کے طور پر محل نصب میں ہے کیونکہ عبادی منادی مضاف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مبتدا محذوف کی خبر ہے یا یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے تقدیر کلام یہ ہے ھم الذین آمنوا یا ہے الذین آمنوا یقال لھم ادخلوا الجنۃ۔

ابو بکر اور زر بن حبیش نے یاعبادیَ پڑھا ہے یا مفتوح ہے اور دونوں حالتوں میں ثابت ہے اسی وجہ سے نافع، ابن عامر، ابو عمرو اور رویس نے دونوں حالتوں میں یاء ساکنہ کو ثابت رکھا ہے باقی قراء نے دونوں حالتوں میں یاء کو حذف کیا ہے کیونکہ اہل شام اور اہل مدینہ کے مصاحف میں یاء ثابت ہے کسی اور مصحف میں یاء نہیں ہے۔

اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ یعنی انہیں کہا جائے گا: تم جنت میں داخل ہو جاؤ یا کہا جائے گا: اے میرے بندو! جو ایمان لائے ہو جنت میں داخل ہو جاؤ اَنْتُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ یعنی جو دنیا میں مسلمان تھیں (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مومنوں میں سے جو تمہارے ساتھی ہوں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حور عین میں سے جو تمہاری ازواج ہیں۔

تُحْبَرُوْنَ ﴿۷۰﴾ تمہاری عزت کی جائیگی؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے یعنی مقام و منزل کے اعتبار سے تم معزز

1۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 143

2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 238

ہو گے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: تمہیں خوش کیا جائیگا اس سے مراد دل میں خوشی ہے۔ قتادہ نے کہا: تم پر انعام کیا جائے گا اس سے مراد بدن میں نعمت ہے۔ مجاہد نے کہا: تمہیں خوش کیا جائے گا اس سے مراد آنکھ میں خوشی ہے۔ ابن ابی نجیح نے کہا: تمہیں خوش کیا جائے گا یہاں عجب سے مراد اس چیز کا پانا ہے جو پسند ہو۔ یحییٰ بن ابی کثیر نے کہا: اس سے مراد سماع کے ذریعے لذت حاصل کرنا ہے۔ سورۂ روم میں یہ بحث گذر چکی ہے۔

يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّ اَكْوَابٍ ۚ وَ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَ تَلَذُّ الْاَعْيُنُ ۚ وَ اَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۷۱﴾

''گردش میں ہونگے ان پر سونے کے تھال اور جام اور وہاں ہر چیز موجود ہوگی جسے دل پسند کریں اور آنکھوں کو لذت ملے (مزید برآں) تم وہاں ہمیشہ رہو گے''۔

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّ اَكْوَابٍ یعنی ان کے لیے جنت میں کھانے اور مشروبات ہونگے جنہیں سونے اور چاندی کے تھالوں میں ان پر گھمایا جائے گا، یہاں کھانوں اور مشروبات کا ذکر نہیں کیا کیونکہ یہ بات معلوم ہے کہ تھالوں اور پیالوں کے گھمانے کا کوئی مطلب نہیں جب ان میں کھانے اور مشروبات نہ ہوں۔ صحاف میں سونے کا ذکر کیا جبکہ اکواب میں اس کے ذکر سے استغنا برتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ الذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّ الذّٰكِرٰتِ (احزاب: 35)

صحیحین میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: لا تلبسوا الحریر ولا الدیباج ولا تشربوا فی آنیۃ الذھب والفضۃ ولا تأکلوا فی صحافہا فانہا لہم فی الدنیا ولکم فی الآخرۃ(1)۔ ریشم اور دیباج کا لباس نہ پہنو اور سونے اور چاندی کے برتنوں میں نہ پیو ان کے پیالوں میں نہ کھاؤ کیونکہ یہ چیزیں ان کے لیے دنیا میں ہیں اور تمہارے لیے آخرت میں ہیں۔ سورۂ الحج میں یہ گذر چکا ہے جس نے ان دونوں میں دنیا میں کھایا یا دنیا میں ریشم کا لباس پہنا اور توبہ نہ کی آخرت میں ہمیشہ کے لیے اس پر یہ چیزیں حرام کر دی جائیں گی اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مفسرین نے کہا: جنت میں سب سے کم مرتبہ جنتی پر ستر ہزار غلام سونے کے پیالوں کے ساتھ گھومیں گے دن کا کھانا اسے پیش کیا جائیگا ہر ایک برتن میں ایسی قسم کا کھانا ہوگا جو دوسرے میں نہ ہوگا۔ وہ اس کے آخر سے اسی طرح کھائے گا جس طرح پہلے سے کھاتا ہے آخری کو اسی طرح لذیذ پائے گا جس طرح پہلے کو لذیذ پاتا ہے اس کا بعض بعض کے مشابہ نہ ہوگا۔

وَّ اَكْوَابٍ یعنی اس پر پیالے گھمائے جائیں گے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّ اَكْوَابٍ (الدہر: 15) ابن مبارک نے ذکر کیا ہے ہمیں معمر نے بیان کیا وہ ایک آدمی سے وہ ابو قلابہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہا: اس کے پاس کھانا اور مشروب لایا جائے گا جب وہ ان کے آخر تک پہنچیں گے تو ان کے پاس شراب طہور لایا جائے

1۔ صحیح بخاری، کتاب الأطعمۃ، باب الأکل فی أناء مفضض، جلد 2، صفحہ 816

گا اس کے لیے ان کے پیٹ ضامر ہو جائیں گے ان کے جسموں سے مشک سے پاکیزہ خوشبو نکلے گی پھر یہ پڑھا شَرَابًا طَهُوْرًا ۝ (دہر)

صحیح مسلم میں حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''جنتی اس میں کھائیں گے، اس میں پئیں گے وہ تھوکیں گے نہیں وہ پیشاب نہیں کریں گے وہ براز نہیں کریں گے وہ ریشہ نہیں پھینکیں گے''(1)۔ پوچھا: کھانے کا کیا بنے گا؟ کہا ''ڈکار اور مہک جس طرح کستوری کی مہک ہوتی ہے انہیں تسبیح تحمید اور تکبیر کا الہام کیا جائے گا'' ایک روایت میں یلھمون التسبیح کی جگہ یلھمون النفس کے الفاظ ہیں۔

مسئلہ نمبر 2۔ آئمہ نے حضرت ام سلمہ کی حدیث نبی کریم ﷺ سے نقل کی ہے فرمایا: ''وہ آدمی جو سونے اور چاندی کے برتن سے پانی پیتا ہے وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ غٹ غٹ پیتا ہے(2)'' اور کہا: ''سونے اور چاندی کے برتن میں نہ پیو اور اس کے پیالوں (برتنوں) میں نہ کھاؤ(3)'' یہ روایات حرمت کا تقاضا کرتی ہیں اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

علماء نے اور مقاصد کے لیے ان کے استعمال کرنے میں اختلاف کیا ہے۔ ابن عربی نے کہا: صحیح بات یہ ہے کہ مردوں کے لیے کسی مقصد کے لیے انہیں استعمال کرنا جائز نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ کا سونے اور ریشم کے بارے میں ارشاد ہے: ''یہ دونوں چیزیں میری امت کے مذکر افراد کے لیے حرام ہیں اور مؤنث افراد کے لیے حلال ہیں''(4) ان میں کھانے پینے سے نہی ان کے استعمال کی حرمت پر دال ہے کیونکہ یہ بھی سامان کی ایک صورت ہے جو جائز نہیں اس کا اصل کھانا اور پینا ہے اس کی علت آخرت کے امر کو جلدی چاہنا ہے اس اعتبار سے اس میں کھانا پینا اور باقی ماندہ انتفاع کی جو صورتیں ہیں سب مراد ہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''یہ ان کے لیے دنیا میں ہیں اور ہمارے لیے آخرت میں ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس میں ہمارے لیے دنیا میں حصہ نہیں بنایا''۔

مسئلہ نمبر 3۔ جب برتن پر ان سے کلی کی گئی ہو یا برتن میں ان دونوں میں سے حلقہ ہو۔ امام مالک نے کہا: مجھے اچھا نہیں لگتا کہ اس برتن میں پیا جائے، اسی طرح آئینہ ہو جس میں چاندی کا حلقہ ہو مجھے یہ اچھا نہیں لگتا کہ وہ اس میں اپنا چہرہ دیکھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس ایسا برتن تھا جس پر چاندی کی کلی کی گئی تھی اور کہا: میں نے نبی کریم ﷺ کو اس برتن میں مشروب پلایا تھا۔ ابن سیرین نے کہا: اس میں لوہے کا حلقہ تھا تو حضرت انس نے ارادہ کیا کہ اس میں چاندی کا حلقہ لگوائیں تو حضرت ابو طلحہ نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے جو عمل کیا ہے میں اس میں کوئی تبدیلی نہیں کروں گا تو حضرت انس نے اسے ترک کر دیا۔

مسئلہ نمبر 4۔ جب ان چیزوں کا استعمال جائز نہیں تو ان کو جمع کرنا بھی جائز نہیں کیونکہ جس چیز کا استعمال جائز نہیں اس کو ذخیرہ کرنا بھی جائز نہیں ہوتا جس طرح بت اور طنبور (آلہ لہو) ہمارے علماء کی کتابوں میں ہے: جو آدمی کسی کا ایسا برتن

1۔ صحیح مسلم، کتاب الأشربة، انیة الفضة، جلد 2، صفحہ 379
2۔ صحیح بخاری، کتاب الأشربة، انیة الفضة، جلد 2، صفحہ 842
3۔ صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینة، تحریم استعمال الأناء الذهب والفضة، جلد 2، صفحہ 189
4۔ سنن ابن ماجہ، باب لبس الحریر والذھب للنساء، حدیث نمبر 3584، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

توڑے گا اس پر بازاری قیمت چٹی لازم ہوگی۔ یہ فاسد معنی ہے کیونکہ اس کا توڑنا واجب ہے تو اس وجہ سے اس قیمت کی کوئی ثمن (جو باہم بائع اور مشتری لگاتے ہیں) نہ ہوگی زکوۃ میں کسی حال میں اس کی قیمت جائز نہ ہوگی اس کے علاوہ میں اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی جائیگی۔

بِصِحَافٍ جوہری نے کہا صحفه، قصعه کی طرح ہے اس کی جمع صحاف آتی ہے۔ کسائی نے کہا: پیالوں میں سے سب سے بڑا جفنه ہے پھر قصعه ہے جو دس افراد کو سیر کر دیتا ہے پھر صحفه ہے جو پانچ آدمیوں کو سیر کو دیتا ہے پھر مئکله ہے جو دو یا تین افراد کو سیر کر دیتا ہے پھر صحیفه ہے جو ایک آدمی کو سیر کر دیتا ہے صحیفه کا معنی کتاب بھی ہے اس کی جمع صحف اور صحائف ہے۔

وَّ اَكْوَابٍ جوہری نے کہا: کوب ایسے لوٹے کو کہتے ہیں جس کا دستہ نہ ہو اس کی جمع اکواب ہے۔ شاعر نے کہا:

مُتَّكِئًا تَصْفِقُ أبوابُه يسعى عليه العَبْدُ بالكوب

وہ ٹیک لگائے ہوئے ہے اس کے دروازے کھلے ہیں اس پر غلام پیالے کے ساتھ دوڑ رہا ہے۔

قتادہ نے کہا: کوب ایسے پیالے کو کہتے ہیں جس کا سرا چھوٹا اور دستہ بھی چھوٹا ہو اور ابریق اس پیالے کو کہتے ہیں جس کا سرا لمبا اور دستہ بھی لمبا ہو (1)۔ اخفش نے کہا: اکواب سے مراد ایسے لوٹے ہیں جس کی سنت نہیں ہوتی۔ قطرب نے کہا: اس سے مراد لوٹے ہیں جن کی سنت نہیں ہوتی (2)۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد ایسے برتن ہیں جن کے منہ گول ہوں۔ سدی نے کہا: اس سے مراد ایسے برتن ہیں جن کی سنت نہیں ہوتی۔ ابن عزیز نے کہا: اکواب سے مراد ایسے لوٹے ہیں جن کا دستہ اور سنت نہیں ہوتی۔ اس کا واحد کوب ہے۔

میں کہتا ہوں: مجاہد اور سدی کے قول کا یہی معنی ہے، یہی اہل لغت کا مذہب ہے کہ جس کی سنت اور دستہ نہ ہو۔

وَ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَ تَلَذُّ الْاَعْيُنُ ترمذی نے سلیمان بن بریدہ سے وہ اپنے باپ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم کیا جنت میں گھوڑے ہیں (3)؟ فرمایا: ''اگر اللہ تعالیٰ تجھے جنت میں داخل کرے تو کیا تو نہیں چاہے گا کہ تو اس میں سرخ یاقوت کے گھوڑے پر سوار ہو وہ جنت میں تجھے لے کر اڑتا رہے جہاں تو چاہے'' کہا: ایک آدمی نے پوچھا عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم کیا جنت میں اونٹ ہیں (4)؟ کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اس کی مثل جواب نہ دیا جو آپ نے پہلے فرد کو جواب دیا تھا فرمایا: ''اگر اللہ تعالیٰ تجھے جنت میں داخل کرے گا تو وہاں تیرے لیے وہ کچھ ہوگا جو تیرا نفس چاہے گا اور تیری آنکھ پسند کرے گی''۔

اہل مدینہ، ابن عامر اور اہل شام نے اسے **فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ** پڑھا ہے باقی قراء نے **تشتهى الانفس** اصل میں یہ تشتهيه الانفس ہے تو کہتا ہے: الذی ضربت زید اصل میں یہ الذی ضربته زید تھا **وَ تَلَذُّ الْاَعْيُنُ** تو کہتا ہے: لذ الشئ يلذ لذاذا ولذاذة، لذذت بالشئ الذ یعنی ماضی میں عین کلمہ مکسور ہے اور مضارع میں مفتوح ہے مصدر لذاذا

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 239 — 2۔ ایضاً

3۔ [illegible] باب صفة الجنة، ما جاء فی صفة خیل الجنة، جلد 2، صفحہ 77 — 4۔ ایضاً

ولذاذۃ۔ یعنی میں نے اسے لذیذ پایا۔ التذذت به وتلذذت به، دونوں کا معنی ایک ہے یعنی جنت میں وہ کچھ ہوگا جس سے آنکھیں لذت حاصل کریں گی تو وہ خوبصورت منظر والا ہوگا۔ سعید بن جبیر نے کہا: آنکھیں اللہ تعالیٰ کا دیدار کر کے لذت حاصل کریں گی جس طرح حدیث طیبہ میں ہے: أسألك لذة النظر الی وجهك۔

وَ اَنۡتُمۡ فِیۡهَا خٰلِدُوۡنَ۝ باقی رہیں گے، ہمیشہ رہیں گے کیونکہ یہ سلسلہ منقطع ہو جائے تو یہ رنج دیتا ہے۔

وَ تِلۡكَ الۡجَنَّةُ الَّتِیۡۤ اُوۡرِثۡتُمُوۡهَا بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ۝

"اور یہی وہ جنت ہے جس کے تم وارث بنا دیئے گئے ہو ان اعمال کے باعث جو تم کیا کرتے تھے"۔

وَ تِلۡكَ الۡجَنَّةُ انہیں یہ بات کہی جائے گی یہ وہ جنت ہے جس کی صفت دنیا میں تمہارے لیے بیان کی جاتی تھی۔ ابن خالویہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جنت کی طرف اشارہ تلك سے اور جہنم کی طرف هذا سے کیا ہے تاکہ جہنم سے ڈرائے اور اسم اشارہ قریب کے ساتھ اشارہ کر کے اس کو مؤکد ذکر کیا اسم اشارہ قریب کے ساتھ اسے یوں بیان کر دیا گیا جس طرح وہ چیز حاضر ہو جس کی طرف دیکھا جاتا ہے۔

الَّتِیۡۤ اُوۡرِثۡتُمُوۡهَا بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ۝ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ہر نفس کے لیے جنت اور دوزخ پیدا کی ہے۔ کافر مسلمان کی جہنم کا وارث بنے گا اور مسلم کافر کی جنت کا وارث بنے گا قَدۡ اَفۡلَحَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ۝ (المومنون) میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث اور سورۃ الاعراف میں بھی یہ بحث گزر چکی ہے۔

لَكُمۡ فِیۡهَا فَاكِهَةٌ كَثِیۡرَةٌ مِّنۡهَا تَاۡكُلُوۡنَ۝

"تمہارے لیے بکثرت پھل ہیں ان میں سے کھاؤ گے (جو جی چاہے)"۔

فَاكِهَةٌ کا لفظ معروف ہے اس کی جمع فواکه ہے فاکهانی اسے کہتے ہیں جو پھل بیچتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد تمام پھل ہیں تر بھی اور خشک بھی، یعنی جنت میں کھانے اور پینے کے علاوہ کثیر پھل جن کو جنتی کھائیں گے۔

اِنَّ الۡمُجۡرِمِیۡنَ فِیۡ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوۡنَ۝ۚ لَا یُفَتَّرُ عَنۡهُمۡ وَ هُمۡ فِیۡهِ مُبۡلِسُوۡنَ۝ۚ وَ مَا ظَلَمۡنٰهُمۡ وَ لٰكِنۡ كَانُوۡا هُمُ الظّٰلِمِیۡنَ۝

"بے شک مجرم عذاب جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔ نہ ہلکا کیا جائیگا ان سے عذاب (یہ عذاب) اور وہ اس میں آس توڑے بیٹھیں ہوں گے۔ اور ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا لیکن وہ (اپنی جانوں پر) ظلم ڈھانے والے تھے"۔

اِنَّ الۡمُجۡرِمِیۡنَ فِیۡ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوۡنَ۝ جب اہل جنت کے احوال کا ذکر کیا تو اہل جہنم کے احوال کا ذکر کیا تاکہ اطاعت شعار کی نافرمان پر فضیلت کو بیان کرے۔ لَا یُفَتَّرُ عَنۡهُمۡ ان سے عذاب میں تخفیف نہیں کی جائے گی وَ هُمۡ فِیۡهِ مُبۡلِسُوۡنَ۝ وہ رحمت سے مایوس ہوں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ خاموش ہونگے سکوت کا معنی ناامیدی ہے۔ سورۃ انعام

میں یہ بحث گذر چکی ہے وَ مَا ظَلَمْنٰهُمْ ہم نے عذاب میں مبتلا کر کے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ خود ہی اپنی جانوں پر شرک کا ارتکاب کر کے ظلم کرنے والے تھے۔ یہ بھی جائز ہے کہ الظالمون کو مرفوع پڑھا جائے یہ مبتدا اور خبر ہو اور جملہ کان کی خبر ہو۔

وَ نَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ۭ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ۝

''اور وہ پکاریں گے: اے مالک! بہتر ہے کہ تمہارا رب ہمارا خاتمہ ہی کر ڈالے وہ جواب دے گا کہ تمہیں تو یہاں ہمیشہ جلتے رہنا ہے''۔

وَ نَادَوْا يٰمٰلِكُ مالک جہنم کا خازن ہے اپنے غضب کے اظہار کے لیے اسے پیدا کیا جب وہ جہنم کو جھڑ کے گا تو اس کا بعض بعض کو کھا جائے گا۔ حضرت علی شیر خدا اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے یوں قراءت بیان کی ہے ونادوا یامال یہ مصحف کے خلاف ہے۔ حضرت ابو درداء اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ونادوا یامال قراءت کی یعنی خاص طور پر لام کے ساتھ، یعنی اسم میں ترخیم کا قاعدہ جاری کیا اور کاف کو حذف کر دیا۔ ترخیم کا معنی حذف ہے اسی سے ندا میں اسم میں ترخیم ہوتی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اس کے آخر سے ایک یا زیادہ حرف حذف کر دیے جائیں تو مالک میں کہے گا: یامال۔ حارث میں کہے گا: یاحار فاطمہ میں کہے گا: یافاطم، عائشہ میں کہے گا: یاعائش، مروان میں کہے گا: یامرو اسی طرح باقی کے اندر بھی یہی صورتحال ہو گی۔ کئی اشعار میں اسی طرح آیا ہے۔ حدیث طیبہ میں ای فُلُ اور ھلمّ موجود ہے اسم مرخم کے آخر میں تیرے لیے دو صورتیں موجود ہیں (1) حذف سے پہلے آخری حرف کی جو حالت تھی اس پر اسے باقی رکھے (2) اسے مبنی برضمہ بنا دے جس طرح یازید گویا تو نے اسے کامل اسم کے قائم مقام رکھا ہے اور اس میں حذف کی رعایت نہیں کی۔ ابو بکر انباری نے ذکر کیا کہا محمد بن مروزی، محمد سے جو ابن سعدان ہے وہ حجاج سے وہ شعبہ سے وہ حکم بن عیینہ سے وہ مجاہد سے روایت نقل کرتے ہیں: کہا ہم نہیں جانتے تھے کہ زخرف کیا ہے یہاں تک کہ ہم نے حضرت عبداللہ کی قراءت میں بیت من ذھب کے الفاظ پائے اور ہم وَ نَادَوْا يٰمٰلِكُ کے بارے میں نہیں جانتے تھے اور يٰمٰلِكُ کے بارے میں نہیں جانتے تھے یہاں تک کہ ہم نے حضرت عبداللہ بن مسعود کی قراءت میں پایا یامال یعنی ترخیم کے طریقہ پر پایا۔ ابو بکر نے کہا اس حدیث پر عمل نہیں ہو گا کیونکہ اس کی سند مقطوع ہے اس کی مثل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت مقبول نہ ہو گی اللہ تعالیٰ کی کتاب اس امر کی زیادہ حقدار ہے کہ اس میں احتیاط کی جائے اور باطل کی اس سے نفی کی جائے۔

میں کہتا ہوں: صحیح بخاری میں صفوان بن یعلی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر پڑھتے ہوئے سنا: وَ نَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ یعنی کاف کو ثابت رکھا (1)۔ محمد بن کعب قرظی نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے یا میرے سامنے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ جہنمیوں نے خزان سے مدد چاہی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ قَالَ الَّذِيْنَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ۝ (غافر) تو ان کی عرضداشت رد کر دی گئی اَوَ لَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۭ قَالُوْا بَلٰى ۭ قَالُوْا فَادْعُوْا ۚ وَ مَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ۝ (غافر) جب وہ خازنوں سے مایوس

1۔ صحیح بخاری، باب قولہ ونادوا یا مالک لیقض علینا ربک سورۃ حم زخرف، جلد 2، صفحہ 713

ہو چکے تو انہوں نے مالک کو ندا کی وہ ان پر سردار تھا اور اس کی مجلس خازنوں کے وسط میں ہے اور پل ہیں جن کے اوپر عذاب کے فرشتے گذرتے ہیں وہ جہنم کے بعید ترین حصہ کو یوں ہی دیکھتا ہے جس طرح اس کے قریب ترین حصہ کو دیکھتا ہے ان جہنمیوں نے عرض کی: یٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ انہوں نے موت کا سوال کیا کہا مالک ان سے خاموش رہے گا انہیں اسی سال تک کوئی جواب نہ دے گا کہا: سال تین سو ساٹھ دن کا ہوگا مہینہ تیس دن کا ہوگا اور دن ان ہزار سالوں کے برابر ہوگا جسے تم شمار کرتے ہو پھر اسی (80) سال کے بعد ان کی طرف متوجہ ہوگا اور کہے گا: اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ۝ اور حدیث کا ذکر کیا۔ ابن مبارک نے اس کا ذکر کیا ہے۔

حضرت ابو درداء نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے: ”وہ کہیں گے مالک کو بلاؤ وہ عرض کریں گے: اے مالک! تمہارا رب ہمیں موت ہی عطا کردے تو اس نے جواب دیا تم اسی طرح رہو گے(1)“ اعمش نے کہا: مجھے یہ بتایا گیا ہے ان کے بلانے اور مالک کے جواب کے درمیان ایک ہزار سال کا عرصہ ہوگا۔ اسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ عرض کریں گے تو مالک ایک ہزار سال تک انہیں جواب نہیں دے گا پھر وہ کہے گا: تم ہمیشہ اسی طرح رہو گے(2)۔ مجاہد اور نوف بکالی نے کہا: ان کی ندا اور اس کے جواب کے درمیان سو سال کا عرصہ ہوگا۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو نے کہا: چالیس سال کا عرصہ ہوگا؛ یہ ابن مبارک نے ذکر کیا۔

لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ۝

”بے شک ہم لے آئے تمہارے پاس دین حق لیکن تم میں سے اکثر حق سے نفرت کرنے والے تھے“۔

یہ احتمال موجود ہے کہ یہ مالک کا قول ہے یعنی تم جہنم میں ہی رہو گے کیونکہ دنیا میں تمہارے پاس حق لائے تو تم نے اسے قبول نہ کیا۔ یہ بھی احتمال موجود ہے کہ یہ آج ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے کلام ہو یعنی ہم نے تمہارے لیے دلائل کو واضح کیا اور تمہاری جانب رسول بھیجے وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہاں اکثر کل کے معنی میں ہے یہاں کثرت سے مراد رؤساء اور قائدین ہیں جہاں تک پیروکاروں کا تعلق ہے تو ان کا کوئی اثر نہ ہوگا لِلْحَقِّ اسلام کو اور اللہ تعالیٰ کے دین کو كٰرِهُوْنَ ناپسند کرتے تھے۔

اَمْ اَبْرَمُوْٓا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ۝

”اور اگر انہوں نے کوئی قطعی فیصلہ کرلیا ہے تو ہم بھی اپنا قطعی فیصلہ کرنے والے ہیں“۔

مقاتل نے کہا: یہ آیت اس بارے میں نازل ہوئی جب کفار نے دار الندوہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تدبیر کی جب ان کا مشورہ اس بات پر اختتام کو پہنچا جو ابو جہل نے رائے پیش کی کہ ہر قبیلہ سے ایک آدمی سامنے آئے تا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل میں شریک ہو تو اس طرح قصاص کا مطالبہ کمزور ہو جائے گا تو یہ آیت نازل ہوئی اللہ تعالیٰ نے ان سب

1۔ جامع ترمذی، باب صفۃ الجهنم، ما جاء فی صفۃ طعام اهل النار، جلد 2، صفحہ 82

2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 239

سرداروں کو بدر کے واقعہ میں قتل کر دیا اَبْرَمُوْٓا کا معنی ہے انہوں نے پختہ فیصلہ کر لیا(1)۔ ابرام کا معنی پختہ کرنا ہے ابرمت الشیٔ میں نے اسے پختہ کیا۔ ابرام الفتال، جب اسے بانٹنے والا اچھی طرح بانٹے اس سے مراد دوسری دفعہ باٹنا ہوتا ہے پہلے کو سحیل کہتے ہیں جس طرح من سحیل و مبرم ہے آیت کا معنی ہے انہوں نے تدبیر کو پختہ کیا(2) ہم بھی ان کے لیے تدبیر کو پختہ کرنے والے ہیں، یہ ابن زید، مجاہد اور قتادہ کا قول ہے یا انہوں نے تکذیب پر اتفاق کر لیا تو ہم دوبارہ اٹھانے کے ساتھ جزا پر پختہ عزم کیے ہوئے ہیں۔ کلبی نے کہا: یا انہوں نے معاملہ کا فیصلہ کر لیا ہے تو ہم بھی ان کے خلاف عذاب کا فیصلہ کرنے والے ہیں۔ ام، بل کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اَمْ اَبْرَمُوْٓا کا عطف اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً یُّعْبَدُوْنَ ﴿۴۵﴾ پر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تحقیق ہم تمہارے پاس حق لائے تو تم نے نہ سنا یا سنا تو سہی مگر اعراض کیا کیونکہ انہوں نے اپنے دل میں ایسے امر کا فیصلہ کر لیا تھا جس کے ذریعے وہ عقاب سے امن میں ہو جاتے۔

اَمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَ نَجْوٰىهُمْ ۭ بَلٰى وَ رُسُلُنَا لَدَیْهِمْ یَكْتُبُوْنَ ﴿۸۰﴾

''کیا وہ گمان کرتے ہیں کہ ہم نہیں سنتے ان کے رازوں اور سرگوشی کو؟ ہاں ہم سنتے ہیں اور ہمارے فرشتے ان کے پاس بیٹھے لکھتے بھی رہتے ہیں''۔

اَمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَ نَجْوٰىهُمْ یعنی جو وہ اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں اور باہم سرگوشیاں کر رہے ہیں بَلٰى کیوں نہیں ہم سنتے اور جانتے ہیں وَ رُسُلُنَا لَدَیْهِمْ یَكْتُبُوْنَ ﴿۸۰﴾ ہمارے فرشتے ان کے پاس بیٹھے لکھ رہے ہوں گے۔ روایت بیان کی گئی ہے کہ یہ آیت ان تین افراد کے بارے میں نازل ہوئی جو بیت اللہ شریف اور اس کے پردوں کے درمیان تھے(3) ان میں سے ایک نے کہا: بتاؤ کیا اللہ تعالیٰ ہماری گفتگو سن رہا ہے؟ دوسرے نے کہا: جب تم بلند آواز سے باتیں کرو تو وہ سنتا ہے اور جب تم رازداری سے باتیں کرو تو نہیں سنتا۔ تیسرے نے کہا: اگر وہ تمہاری اعلانیہ گفتگو سنتا ہے تو پھر جب تم رازداری سے بات کرو تب بھی سنتا ہے؛ یہ محمد بن کعب قرظی کا قول ہے۔ سورۂ فصلت میں یہی چیز حضرت ابن مسعود کی روایت میں گزر چکی ہے۔

قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِیْنَ ﴿۸۱﴾ سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَذَرْهُمْ یَخُوْضُوْا وَ یَلْعَبُوْا حَتّٰى یُلٰقُوْا یَوْمَهُمُ الَّذِیْ یُوْعَدُوْنَ ﴿۸۳﴾

''آپ فرمایئے: (بفرض محال) اگر رحمن کا کوئی بچہ ہوتا تو میں سب سے پہلے اس کا پجاری ہوتا۔ پاک ہے آسمانوں اور زمین کا پروردگار اور عرش کا رب ہر اس عیب سے جو یہ بیان کرتے ہیں۔ پس (اے حبیب) آپ رہنے دیں انہیں کہ بے ہودہ باتیں بناتے رہیں اور کھیل تماشہ کرتے رہیں حتیٰ کہ ملاقات ہو جائے ان

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 240　2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 65　3۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 241

کی اپنے اس دن سے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے"۔

قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ اس کے معنی میں اختلاف کیا گیا ہے حضرت ابن عباس، حضرت حسن بصری اور سدی نے یہ کہا: معنی ہے، رحمن کا کوئی بیٹا نہیں۔ یہاں ان، ما کے معنی میں ہے۔ اس اعتبار سے کلام مکمل ہوگی پھر تو نئے سرے سے کلام شروع کرے گا فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ میں اہل مکہ میں سے پہلا موحد ہوں کیونکہ اس کا کوئی بیٹا نہیں۔ الْعٰبِدِيْنَ پر وقف تام ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اے محمد! کہہ دو اگر اللہ تعالیٰ کا کوئی بیٹا ہوتا تو میں ان میں سے سب سے پہلا ہوتا جو اس کی عبادت کرتا، لیکن یہ امر محال ہے کہ اس کی کوئی اولاد ہو یہ اسی طرح ہے جس طرح تو اسے کہتا ہے جس سے تو مناظرہ کرتا ہے: جو کچھ تو نے کہا ہے اگر یہ دلیل سے ثابت ہو گیا تو میں وہ پہلا شخص ہوں گا جو اس کا اعتقاد رکھے گا۔ یہ امر کو بعید جاننے میں مبالغہ کا اظہار ہے یعنی اس کے اعتقاد کی کوئی صورت نہیں یہ کلام میں نرمی کرنا ہے جس طرح یہ ارشاد ہے: وَاِنَّاۤ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۴﴾ (سبا) اس تعبیر میں یہ معنی ہوگا میں اس بچے کا سب سے پہلے عبادت کرنے والا ہوتا۔ کیونکہ بچے کی تعظیم اس کے والد کی تعظیم ہوتی ہے۔ مجاہد نے کہا: اس کا معنی ہے اگر رحمن کا بچہ ہوتا تو میں پہلا شخص ہوتا جو صرف اسی وحدہ لاشریک کی عبادت کرتا کیونکہ اس کا کوئی بچہ نہیں۔ سدی نے یہ بھی کہا ہے: اس کا معنی ہے اگر اسکا کوئی بیٹا ہوتا تو میں پہلا وہ شخص ہوتا جو اس کی عبادت کرتا اس وجہ سے کہ اس کا بیٹا ہے لیکن یہ مناسب نہیں۔ مہدوی نے کہا: ان تمام اقوال کی بنا پر شرط کے لیے ہے یہ سب سے مناسب ہے، یہ طبری کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے، کیونکہ یہ جس کلام کے ساتھ متصل ہو اس بارے میں وہم ہوتا ہے کہ زمانہ گذشتہ میں یہ متحقق نہ تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ الْعٰبِدِيْنَ، الآنفین کے معنی میں ہے، میں ناپسند کرنے والوں میں سے پہلا ہوتا۔ بعض علماء نے کہا: اگر معنی یہ ہے تو قراءت یوں ہوگی العبدین ابو عبدالرحمن اور یمانی نے اسی طرح قراءت کی ہے فانا اول العبدین یوں باب ذکر کیا جاتا ہے عبد یعبد عبدا جب وہ ناپسند کرلے اور غضبناک ہو اس سے اسم فاعل عَبِدٌ آئے گا۔ اسم عبدہ، انفہ کی طرح ہے؛ یہ ابو زید سے مروی ہے۔ فرزدق نے کہا:

أولئك أحلاس فجئني بمثلهم	وأعْبُدُ أن أهْجُو كُلَيْبًا بدارِمِ

وہ میرے ساتھی ہیں میرے پاس ان کی مثل لے آؤ اور میں یہ ناپسند کرتا ہوں کہ دارم کے مقابلہ میں کلیب کی ہجو کرو۔ وہ یہ شعر بھی کہتا ہے:

أولئك ناس إن هَجَوْنِي هجوتهم	وأَعْبُدُ أن يهجى كُلَيْبٌ بدارِمِ

وہ ایسے لوگ ہیں اگر وہ میری ہجو کریں تو میں ان کی ہجو کروں گا۔ اور میں یہ ناپسند کرتا ہوں کہ دارم کے بدلہ میں کلیب کی ہجو کی جائے۔

جوہری نے کہا: ابو عمرو نے کہا اللہ تعالیٰ کا فرمان فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ میں عابدین کا معنی ناپسند کرنا اور ناراض ہونا ہے(1)؛ یہ نسائی اور قتبی کا قول ہے۔ ماوردی نے اسے ان دونوں سے روایت کیا۔ مہدوی نے کہا: اللہ تعالیٰ کا فرمان: فَاَنَا اَوَّلُ

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 241

الْعٰبِدِيْنَ۔ یہ عَبِدَ یَعْبَدَ سے مشتق ہے یعنی ناپسند کرنے والوں میں سے میں پہلا ہوں گا۔ ابن عرفہ نے کہا: عبد یعبد کا اسم فاعل عَبِد آتا ہے، بہت ہی کم اسے عابد کہا جاتا ہے۔ قرآن حکیم لغت میں قلیل استعمال ہونے والے اور شاذ استعمال ہونے والے مادہ کو ذکر نہیں کرتا بلکہ معنی ہے میں وہ پہلا شخص ہوتا جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا کہ وہ واحد ہے اس کی کوئی اولاد نہیں۔

روایت بیان کی جاتی ہے کہ ایک عورت اپنے خاوند کے حرم میں داخل ہوئی اس عورت نے چھ ماہ میں بچہ جن دیا اس کا ذکر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے کیا گیا تو آپ نے اس عورت کو رجم کرنے کا حکم دیا۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے آپ سے کہا: اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَ حَمْلُهٗ وَ فِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا (احقاف: 15) ایک اور آیت میں فرمایا: وَّ فِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ (لقمان: 14) اللہ کی قسم! حضرت عثمان نے کوئی ناپسند نہ کیا کہ اس امر کی طرف لوٹیں (1)۔ عبداللہ بن وہب نے کہا: معنی ہے انہوں نے اسے ناپسند نہ کیا۔ ابن اعرابی نے کہا: فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ کا معنی ہے میں سب سے پہلا غضبناک ہونے والوں اور ناپسند کرنے والوں میں سے ہوتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے میں تمہارے برعکس سب سے پہلا شخص ہوتا جو اس کی وحدانیت پر اس کی عبادت کرتا۔ ابوعبیدہ نے کہا: اس کا معنی ہے میں سب سے پہلے انکار کرنے والا ہوتا۔ اور یہ حکایت کی عبدنی حقی۔ اس نے میرے حق کا انکار کیا۔ اہل کوفہ نے عاصم کے علاوہ وُلد پڑھا ہے باقی قراء اور عاصم نے وَلد پڑھا ہے۔ یہ گفتگو پہلے گزر چکی ہے: سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ اللہ تعالیٰ نے ہر اس امر سے اپنی پاکی بیان کی ہے جو حادث ہونے کا تقاضا کرتا ہے۔ یہ کلام بھی تقدیس و تنزیہ کو بیان کرنے کے لیے ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پاکی بیان کرنے کا حکم دیا ان تمام چیزوں سے جو وہ جھوٹ بولا کرتے تھے۔

فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَ يَلْعَبُوْا امراد کفار مکہ ہیں جب انہوں نے عذاب آخرت کو جھٹلایا یعنی وہ اپنے باطل میں ٹامک ٹوئیاں مارتے رہیں اور اپنی دنیا میں کھیلتے رہیں۔

حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ۝ یا تو اس سے مراد دنیا کا عذاب ہے یا آخرت کا عذاب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ حکم جہاد والی آیت سے منسوخ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت محکم ہے اسے دھمکی دینے کے اعتبار سے ذکر کیا گیا ہے۔ ابن محیصن، مجاہد، حمید، ابن قعقاع اور ابن سمیقع نے اسے حَتّٰى يَلْقَوْا پڑھا ہے (2) یعنی الف نہیں، یہاں، سورۂ طور اور سورۂ معارج میں قاف کو فتحہ دیا ہے جبکہ باقی قراء نے یلاقوا پڑھا ہے۔

وَ هُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّ فِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ ؕ وَ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ۝

''اور وہی ایک، آسمان میں خدا ہے اور زمین میں بھی خدا ہے اور وہی بہت دانا، سب کچھ جاننے والا ہے''۔

ان کو جھٹلانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک اور بچہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی آسمان و زمین میں مستحق عبادت ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ نے کہا: معنی ہے وہی ذات آسمان اور زمین میں معبود ہے یعنی دونوں میں اسی کی عبادت کی

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 65
2۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 66

جاتی ہے۔ یہ روایت کی جاتی ہے کہ حضرت عمر، حضرت ابن مسعود اور دوسرے صحابہ نے یوں قراءت کی ہے وھو الذی فی السماء للہ وفی الأرض للہ یہ مصحف کے خلاف ہے(1) اِلٰهٌ کو رفع دیا گیا ہے کیونکہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی وہ ذات جو آسمان میں ہے وہ معبود ہے؛ یہ ابو علی کا قول ہے۔ کلام کے طویل ہونے کی وجہ سے ضمیر کا حذف کرنا اچھا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فی، علی کے معنی میں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ (طٰہٰ: 71) اس میں فی علی کے معنی میں ہے یعنی وہ آسمان اور زمین پر قادر ہے۔ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۴﴾ اس کے بارے میں گفتگو گزر چکی ہے۔

وَتَبٰرَكَ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۵﴾

"اور بڑی برکت والا ہے وہ جس کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین میں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور اسی کے پاس ہے قیامت کا علم اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے"۔

تَبٰرَكَ یہ برکت سے تفاعل کے وزن پر ہے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ اس کے قیام کا وقت اللہ تعالیٰ کے پاس ہی ہے وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ابن کثیر، حمزہ اور نسائی نے اسے والیہ یرجعون پڑھا ہے باقی قراء نے اسے تاء کے ساتھ پڑھا۔ ابن محیصن، حمید، یعقوب اور ابن ابی اسحاق اپنے اصول کے مطابق علامت مضارع کو فتحہ اور باقی ضمہ دیتے ہیں۔

وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾

"اور نہیں اختیار رکھتے جنہیں یہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں شفاعت کرنے کا، ہاں شفاعت کا حق انہیں ہے جو حق کی گواہی دیں اور وہ (اس کو) جانتے بھی ہیں"۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ من محل جر میں ہے الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ سے مراد حضرت عیسیٰ، حضرت عزیر اور ملائکہ علیہم السلام ہیں، یعنی یہ شفاعت کا حق نہیں رکھتے مگر اس کے حق میں جو حق کی گواہی دے اور علم و بصیرت پر ایمان لائے؛ یہ سعید بن جبیر اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ کہا: حق کی شہادت لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: من محل رفع میں ہے، یعنی جن کی وہ عبادت کرتے ہیں وہ شفاعت کا حق نہیں رکھتے۔ مراد معبودان باطلہ ہیں۔ قتادہ کے قول میں ہے: معبود اپنے عبادت گذاروں کے حق میں شفاعت نہیں کر سکتے مگر وہ معبود جو حق کی گواہی دیں جیسے حضرت عزیر علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ملائکہ کیونکہ وہ حق اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی گواہی دیتے ہیں (2)۔ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ جو انہوں نے گواہی دی اس کی حقیقت کو جانتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت اس لیے نازل ہوئی کہ نضر بن حارث اور قریش کی ایک جماعت نے کہا: اگر (حضرت) محمد جو کچھ کہتے ہیں وہ حق ہے تو ہم تو فرشتوں کے دوست ہوئے وہ فرشتے اس

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 66 2۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 67

کی بجائے ہمارے حق میں شفاعت کے زیادہ حق دار ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا یعنی وہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ملائکہ، بت، جن یا شیاطین ان کے حق میں شفاعت کریں گے، قیامت کے روز کسی کے حق میں کوئی شفاعت نہیں۔

اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ یعنی مومنوں کے حق میں شفاعت کریں گے جب انہیں اجازت دی جائے گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ سے کیا مراد ہے یعنی وہ یہ گواہی دے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ کی ذات کو چھوڑ کر یہ عبادت کرنے والے اس کے حق دار نہیں کہ کوئی ان کی شفاعت کرے مگر جو حق کی گواہی دے کیونکہ جو حق کی گواہی دے گا اس کے حق میں شفاعت کی جائے گی اور مشرک کے حق میں شفاعت نہیں کی جائے گی۔ الا یہ لیکن کے معنی میں ہے۔ مشرک شفاعت نہیں پائیں گے مگر شفاعت وہ پائے گا جو حق کی گواہی دے گا۔ پس یہ استثناء منقطع ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ مستثنیٰ متصل ہو، کیونکہ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ میں ملائکہ بھی شامل ہیں یوں کہا جاتا ہے: شفعته، شفعت له، جس طرح کلته، کلت له۔ سورۂ بقرہ میں شفاعت کا معنی اور اس کا اشتقاق گذر چکا ہے تو اس کے اعادہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ سے مراد ہے جس کے حق میں فرشتے گواہی دیں کہ وہ دنیا میں حق پر تھا جبکہ وہ اس بارے میں جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں خبر دی ہے یا انہوں نے اسے ایمان کی حالت میں دیکھا تھا۔

مسئلہ نمبر 2۔ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَ هُمْ یَعْلَمُوْنَ ۝۸۶ یہ کلام دو معنوں پر دلالت کرتی ہے: (1) حق کے بارے میں سفارش نفع نہیں دیتی مگر جب علم ہو اور تقلید بھی کوئی فائدہ نہیں دیتی جب تک مقالہ کے صحیح ہونے کا علم نہ ہو۔ (2) حقوق اور دوسرے امور میں تمام شہادات کے لیے شرط یہ ہے کہ شاہد اس کے بارے میں آگاہ ہو، اس کی مثل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے: إذا رأیت مثل الشمس فاشهد والا فدع(1) جب تو سورج کی طرح کسی امر کو دیکھے تو گواہی دے بصورت دیگر اسے چھوڑ دے۔

وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى یُؤْفَكُوْنَ ۝۸۷

''اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ انہیں کس نے پیدا کیا تو یقیناً کہیں گے: اللہ نے، پھر کدھر یہ الٹے پھر رہے ہیں''۔

وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ وہ ضرور اقرار کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا کیا ہے جبکہ پہلے وہ کچھ بھی نہ تھے۔ فَاَنّٰى یُؤْفَكُوْنَ کیسے اس کی عبادت سے پلٹتے ہیں اور اس سے پھرتے ہیں یہاں تک کہ انہوں نے اس کے ساتھ اوروں کو شریک کر لیا، وہ محض ان کی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سفارش کی امید رکھتے ہیں۔ اَفَكَ یَاْفِكُ اَفْكًا اسے الٹ دیا اور اسے کسی چیز سے پھیر دیا، اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا (احقاف: 22) ایک قول یہ کیا گیا: اگر آپ فرشتوں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھیں کس نے انہیں پیدا کیا ہے تو وہ کہیں گے: اللہ تعالیٰ نے۔ فَاَنّٰى

1۔ احکام القرآن للجصاص، جلد 3، صفحہ 388

یُؤْفَکُوْنَ۝ تو یہ لوگ جو انہیں معبود قرار دیتے ہیں اس میں کہاں بھٹک رہے ہیں۔

وَ قِیْلِهٖ یٰرَبِّ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا یُؤْمِنُوْنَ۝

''اور قسم ہے میرے رسول کے اس قول کی اے میرے رب! یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان نہیں لاتے''۔

قِیْلِهٖ میں تین قراءتیں ہیں: نصب، جر اور رفع (1)۔ جہاں تک جر کا تعلق ہے یہ عاصم اور حمزہ کی قراءت ہے جس نے اسے جر دی ہے اس نے اسے معنی پر محمول کیا ہے تقدیر کلام یوں ہوئی وَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وعلم قیلہ جس نے اسے نصب دی ہے اس نے اسے معنی پر محمول کیا ہے تقدیر کلام یوں ہوگی وعندہ علم الساعۃ ویعلم قیلہ یہ زجاج کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے فراء اور اخفش نے کہا یہ جائز ہے کہ قِیْلِهٖ کا عطف انا لانسمع سرھم و نجواھم پر ہو۔ ابن انباری نے کہا: میں نے ابو العباس محمد بن یزید مبرد سے پوچھا قیل کو تو کس چیز کے ساتھ نصب دیتا ہے؟ کہا: میں اسے ہوئی وَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ و یعلم قیلہ کے ساتھ نصب دیتا ہوں۔ اس توجیہ کی صورت میں تُرْجَعُوْنَ اور یَعْلَمُوْنَ پر عطف اچھا نہیں اور یَكْتُبُوْنَ پر عطف اچھا ہوگا۔ فراء اور اخفش نے قیل کو اس معنی کی بناء پر نصب دی۔ لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَ نَجْوٰىهُمْ وقیلہ جس طرح ہم نے ان سے ذکر کیا ہے۔ اس توجیہ کی بنا پر یَكْتُبُوْنَ پر وقف کرنا اچھا نہیں۔ فراء اور اخفش نے یہ بھی جائز قرار دیا ہے کہ مفعول مطلق ہونے کی حیثیت میں نصب دی جائے۔ گویا یوں کلام کی: وقال قیلہ وشکا شکواہ إلی اللہ عزو جل۔ جس طرح کعب بن زہیر نے کہا:

تَمْشِی الْوُشَاةُ جَنَابَیْهَا وَقِیلُهُمْ إِنَّكَ یَا ابْنَ أَبِی سُلْمَی لَمَقْتُولُ

چغل خور اس کی دونوں جانب چلتے ہیں اور ان کا قول یہ ہے: اے ابن ابی سلمی! تو مقتول ہے۔

شاعر نے یہ ارادہ کیا ہے ویقولون قیلہم۔ جس نے قیلہ کو رفع دیا ہے تو تقدیر کلام یہ ہوگی وعندہ قیلہ یا قیلہ مسموع یا قیلہ ھذا القول۔ زمخشری نے کہا: جو انہوں نے کہا یہ معنی کے اعتبار سے قوی نہیں ساتھ ہی ساتھ معطوف اور معطوف علیہ میں فاصلہ ہے جبکہ یہ جملہ معترضہ بھی نہیں بن سکتا اور نظم میں تنافر پایا جاتا ہے۔ اس سے زیادہ قوی اور مناسب یہ ہے کہ جر اور نصب حرف قسم کے اضمار اور حذف کی بنا پر ہو۔ اور رفع ان کے اس قول کی بنا پر ہو أیمن اللہ، أمانۃ اللہ، یمین اللہ، لعمرك۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان: اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا یُؤْمِنُوْنَ۝ جواب قسم ہوگا۔ گویا فرمایا: وأقسم بقیلہ یا رب یا قیلہ یا رب قسمی ان ھؤلاء قوم لا یؤمنون۔ ابن انباری نے کہا: عربی زبان میں وقیلہ رفع کے ساتھ بھی جائز ہے اس شرط پر کہ تو اسے اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا یُؤْمِنُوْنَ۝ کے ساتھ رفع دے۔ مہدوی نے کہا: یا تقدیر کلام یہ ہے وقیلہ قیلہ یا رب۔ دوسرے قیلہ کو حذف کر دیا گیا جو خبر ہے اور یا رب کا محل خبر مضمر کی وجہ سے نصب ہے یہ ممتنع نہیں جبکہ موصول کے بعض کو حذف کرنا اور بعض کو باقی رکھنا ممتنع ہے کیونکہ قول کا حذف بہت زیادہ ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ مذکور کے حکم میں ہو گیا ہے۔ قیلہ میں ھا

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 242

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ حضرت محمد ﷺ کے لیے ہے جبکہ آپ کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ۔ ابو قلابہ نے پڑھا یا رب، قیل، قول کی طرح مصدر ہے اسی معنی میں حدیث ہے نھی عن قیل وقال، قیل وقال سے منع کیا۔ یوں بھی جملہ کہا جاتا ہے: قلت قولہ و قیلا و قالا سورۂ نساء میں موجود ہے وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿۱۲۲﴾

فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾

"پس (اے حبیب) رخ انور پھیر لیجئے ان سے اور فرمایئے: تم سلامت رہو وہ (اس کا انجام) ضرور جان لیں گے"۔

قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ان سے درگزر کرنے کا حکم دیا پھر ان کو قتل کرنے کا حکم کیا پس صفح کا حکم تلوار والے حکم کے ساتھ منسوخ ہو گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی کی مثل مروی ہے فَاصْفَحْ عَنْهُمْ ان سے اعراض کیجئے وَقُلْ سَلٰمٌ یعنی انہیں اچھی بات کہیں یعنی مکہ کے مشرکوں کو کہو فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ پھر اسے سورۂ براءۃ میں منسوخ کر دیا گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ (آیت: 5) ایک قول یہ کہ گیا ہے: یہ آیت محکم ہے منسوخ نہیں عام قراءت فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ہے یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اپنے نبی کو دھمکی کی خبر ہے۔ نافع اور ابن عامر نے تعلمون پڑھا ہے کہ یہ نبی کریم ﷺ کی جانب سے مشرکین کو دھمکی کا خطاب ہے۔ سَلٰمٌ یہ علیکم کے مضمر ہونے کی بنا پر مرفوع ہے؛ یہ فراء کا قول ہے اس کا معنی ہے انہیں لفظ سلام کہہ کر الوداع کر دیں یہ ان کے لیے سلام نہیں یہ نقاش نے بیان کیا ہے؛ شعیب بن حجاب نے روایت کی ہے کہ انہوں نے اس ذریعے یہ پہچانا کہ انہیں سلام کیسے کہا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔